Oriental College Magazine, Century Number, Vol.100, No. 02-04,
Serial No. 376-378, 2025

اورینٹل کالج، شعبہ اردو کے اساتذہ کی تاریخی، علمی اور ادبی خدمات

حنا اصغر، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
ایجوکیشن یونیورسٹی، لاہور

Historical, academic and literary services of the teachers of the Urdu Department, Oriental College

Hina Asghar, PhD
Assistant Professor of Urdu
University of Education, Lahore

Abstract

Punjab University Oriental College, also known as Oriental College, is an important institution in Lahore for teaching oriental studies and languages. Oriental College has a historical status in that the great personalities of the country who studied here are reaching the heights of fame all over the world. They are making the name of the country and the nation shine all over the world. The Urdu Department is an important department among other departments. The Urdu Department was established in 1928 to promote its language and literature. Initially, it was a research department which later took the form of a full-fledged department in 1948. Later, MA classes were launched in the Urdu Department. Along with teaching, the work of writing and compilation was also ongoing in this department. In addition, a series of poetry recitals, conferences, seminars, and lectures are also ongoing here from time to time. The Urdu Department is a beacon of light not only for the universities of its own country but also for foreign universities due to its academic and literary services. The works of teachers, researchers, and critics of the Urdu Department are used as authoritative references. Through this article, an attempt has been made to present an overall overview of the historical, literary, and scholarly contributions of the Urdu Department of Oriental College, Lahore.

Keywords:
Department of Urdu Oriental College Lahore ,History, Literature, Historical, Literary and Academic services of the Department of Urdu, Oriental College Lahore .

پاکستان میں تعلیمی اداروں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو ناصرف تعلیم و تدریس بلکہ زبان و ادب کے فروغ میں بھی اپنا اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ان اداروں سے فیض یاب ہو کر محققین بڑی تعداد قومی اور بین الاقوامی سطح پر ملک کا نام روشن کرنے میں کوشاں ہے۔ ان تعلیمی اداروں کی اس تابندہ روایت میں لاہور کی حیثیت مرکزی ہے، یہاں اعلیٰ تعلیمی ادارے اپنی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔ یہ تعلیمی ادارے وطنِ عزیز کے افق پر درخشندہ ستاروں کی مانند ہیں۔ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور کا شمار بھی انھی چمکتے ہوئے ستاروں میں ہوتا ہے جس کی روشنی ملکِ عزیز کے کونے کونے تک پھیل کر اسے منور کر رہی ہے۔ برِ صغیر بلکہ جنوبی ایشا کا یہ رجحان ساز، باوقار اور مقبول و معروف قدیم علمی و تعلیمی، تحقیقی اور تدریسی ادارہ مشرقی علوم اور زبانوں کی تدریس اور جدید علوم کے فروغ کے لیے قائم ہوا۔ طلبہ و طالبات کی بڑی تعداد اس ادارے سے فارغ التحصیل ہو کر زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ اورینٹل کالج مستحکم اور صحت مند علمی و تحقیق روایت کا امین ہے جس کی نشوونما و ترقی میں ناصرف مسلمان سربراہان بلکہ انگریز اور ہندو سربراہان نے بھی اس کی آبیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان میں ڈاکٹر لائٹنر، ڈاکٹر وولنر، پروفیسر سر آرل اسٹین، پروفیسر اسٹریٹن، سر ٹامس آرنلڈ، حافظ محمود شیرانی، محمد حسین آزاد، ڈاکٹر محمد شفیع، مولانا فیض الحسن، ڈاکٹر سروپ، ڈاکٹر محمد اقبال، جناب شاداں بلگرام اور ڈاکٹر موھن سنگھ دیوانہ جیسی فاضل شخصیات کا نام نمایاں ہے ان شخصیات نے جس روایت کو قائم کیا اس میں اعلیٰ اقدار، علمی غائت، سچائی کی تلاش، اعلیٰ صداقتوں کی جستجو، اصلاح و تطہیرِ حیات، کلاسکیت اور جدیدیت کا امتزاج شامل ہیں۔ اس ادارے کے تمام شعبے اردو، فارسی، پنجابی، ہندی، ترکی، عربی، کشمیریات کے اساتذہ مشرقی و مغربی زبان و ادب کی ترقی کے لیے سرگرمِ عمل ہیں اور تدریس کے ساتھ ساتھ اپنی علمی و ادبی کتب کے ذریعے ادبی سرمایے میں وقیع اضافہ کر رہے ہیں۔

اورینٹل کالج ۱۸۷۰ میں قائم ہوا مگر اس کی بنیاد ۱۸۶۵ء میں انجمن پنجاب کے پلیٹ فارم سے شروع ہو کر لاہور سکشا سبھا حال کے ۱۸۶۳ء کے پاٹھ شالے کو لے کر عربی، فارسی، اردو کی تعلیم کے آغاز تک میں دیکھی جا سکتی ہے۔ انجمن پنجاب کا قیام ڈاکٹر لائٹنر (۱۸۴۰-۱۸۹۹ء) کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ لاہور میں ایسے ادارے کا قیام ان کا خواب تھا جو ناصرف قدیم زبانوں کے فروغ کے ساتھ ساتھ علومِ جدیدہ کی مقامی زبانوں میں تدریس کا فیصنہ سرانجام دے۔ ۱۸۶۶ء میں یہاں باقاعدہ تدریس شروع ہوئی، ابتدا میں کچھ مالی مسائل درپیش آئے جس کی وجہ سے کالج میں جولائی ۱۸۶۷ء تا جون ۱۸۶۷ء تدریس کا سلسلہ موقوف رہا، ۸ دسمبر ۱۸۶۹ء کو یونی کالج لاہور قائم ہوا جس کا مئی ۱۸۷۰ میں نام پنجاب یونیورسٹی کالج رکھا گیا، اس ادارے کے تحت ۱۸۷۰ء میں یونیورسٹی کے پہلے باقاعدہ تدریسی ادارے کے طور پر اورینٹل سکول کا

آغاز ہوا، مارچ ۱۸۷۲ء تک یہ سکول کہلایا۔ اس میں کالج کی تدریس شروع ہوئی تو اس کا نام اورینٹل کالج رکھ دیا گیا۔ ۱۸۷۰ اور ینٹل کالج کے قیام کے بعد یہاں کلاسیکی زبانوں اردو، ہندی، فارسی، عربی، سنسکرت، پنجابی، کشمیری اور پشتو زبانوں کی تدریس کے ساتھ ساتھ جدید علوم طب اسلامی، فقہ اسلامی، تاریخ، منطق، فلسفہ، ریاضی، اقتصادیات، فزکس، انجینئرنگ، دھرم شاستر، ویدک کی بھی تعلیم دی جانی شروع ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں اس کے شہرہ آفاق تحقیقی مجلے "اورینٹل کالج میگزین" کا اجرا ہوا جو تاحال بغیر کسی تعطل کے شائع ہو رہا ہے۔ شعبہ عربی ۱۸۷۰ میں قائم ہوا اور ۸۸-۱۸۸۷ میں ایم اے عربی کا آغاز ہوا۔ شعبہ عربی کا مجلہ "القسم العربی" ۱۹۹۵ میں شائع ہوا۔ شعبہ فارسی کا قیام میں عمل میں آیا اور ۱۹۲۱ میں یہاں جماعتوں کا اجرا ہوا۔ فارسی کا مجلہ "سفینہ" ہے۔ شعبہ پنجابی ۱۹۲۸ میں تحقیقی شعبے کے طور پر قائم ہوا۔ اس کا تحقیقی مجلہ "کھوج" ہے۔ شعبہ کشمیریات ۱۹۸۲ میں قائم ہوا۔ اس کا سالانہ تحقیقی مجلہ "سگرمال" ہے۔ ان تمام مجلات کے علاوہ ایک تحقیقی مجلہ "مجلۂ تحقیق" ڈین فیکلٹی آف اورینٹل لرننگ کی ادارت میں شائع ہوتا ہے جب کہ پرنسپل اورینٹل کالج کی ادارت میں بھی ایک سالانہ ادبی رسالہ "شرق" بھی شائع ہوتا ہے۔

ان مختلف شعبوں کے تحقیقی جرائد و رسائل بھی ادب کی ترویج و ترقی میں اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ادارے نے تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق کی روایت کو بھی پروان چڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس ادارے کے اساتذہ کا کام سند کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اس ادارے کا اہم شعبہ، شعبہ اردو ۱۹۴۸ء میں قائم ہوا۔

۱۹۴۸ء میں قائم ہونے والے شعبہ اردو اورینٹل کالج لاہور کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اعلیٰ درجے کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید کی بنیادیں بھی مستحکم کیں۔ اس شعبے کو یہ اعزاز بھی حاصل رہا ہے کہ ۱۸۷۰ء میں قائم ہونے والے اورینٹل کالج کے سو سال پورے ہونے پر اس شعبے کے ایک استاد ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (۱۹۲۴۔۲۰۰۷ء) نے اس کی تاریخ لکھی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی (۱۹۲۰۔۱۹۹۸ء) نے اس ادارے کی صد سالہ تاسیس اور ڈاکٹر زاہد منیر عامر (۱۹۶۶ء) نے بھی اس ادارے کو سو سال مکمل کرنے پر تاریخ جامعہ پنجاب لکھ کر عمدہ خراجِ تحسین پیش کیا۔ بعد از شعبہ اردو میں کروائے جانے والے ڈپلومہ اور ایڈوانسڈ ڈپلومہ بھی اردو زبان و ادب کی ترویج میں اہم کردار ادا کر رہے، علاوہ ازیں اس ادارے نے ترجمہ و تالیف، دائرہ معارفِ اسلامیہ، تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند کو مرتب کرنے کا کام بھی اپنے سر لیا اور بخوبی سر انجام دیا۔ ۲۰۰۲ء میں شعبہ اردو نے بین الاقوامی معیار کے ایک ششماہی تحقیقی و تنقیدی مجلے "بازیافت" کی اشاعت کا آغاز کیا۔ جو باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے یہ مجلہ ریفریڈ اور ایچ ای سی (HEC) منظور شدہ ہے۔ ماضی میں "لفظ" اور "مشقِ سخن" بھی چھپتے رہے ہیں۔ طلبہ و طالبات کی

تخلیقی، تحقیقی و تنقیدی صلاحیتوں کو پرکھنے، اجاگر کرنے کے لیے "مجلہ سخن" شائع ہوتا ہے۔ اس شعبے سے وابستہ اساتذہ کی متفرق موضوعات پر لکھی گئیں کتب میں اہم علمی و ادبی سرمایہ ہیں۔ شعبہ اردو میں وقتاً فوقتاً قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ اہم علمی، ادبی، ثقافتی موضوعات پر علمی مجالس، کانفرنس، مذاکرے، سیمینار، مشاعرے منعقد کروائے جاتے ہیں جس میں دنیا بھر سے ممتاز ادبا اور دانش وروں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے۔ شعبہ اُردو کے طلبہ تقریری مقابلوں اور مضمون نویسی میں بھی حصہ لیتے ہیں جسمانی صحت کے حوالے سے بھی مختلف کھیلوں کا انعقاد کیا جاتا ہے اس کے علاوہ شعبۂ اُردو سے تعلق رکھنے والے طلبہ میں سے بڑے بڑے شاعر، ادیب، افسانہ نگار ملکی سطح پر اپنی قابلیت کے جوہر دکھا چکے ہیں۔ اس ادارے میں غیر ملکی طلبا کو بھی اُردو پڑھائی جاتی ہے۔

طالب علموں کی ذہنی و تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار اور تربیت کی غرض سے انجمن اُردو قائم ہے۔ جس کے ہفتہ وار اجلاس باقاعدگی سے منعقد ہوتے ہیں۔ انجمن کے اجلاسوں میں نامور ادیب و شعرا تشریف لاتے ہیں اور طالب علموں سے مکالمہ کرتے ہیں۔ ایم اے کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم کو چار طلائی تمغے پیش کیے جاتے ہیں۔

یونیورسٹی گولڈ میڈل

حافظ محمود شیرانی گولڈ میڈل

پروفیسر قیوم نظر گولڈ میڈل

بیگم فرخ مسعود گولڈ میڈل

یونیورسٹی کی طرف سے طالب علموں کے لیے میرٹ اور ضرورت کی بنیاد پر دو قسم کے وظائف دیے جاتے ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی اور تدریس کے حوالے سے یہ دنیا کا سب سے بہترین اور اہم ادارہ ہے۔

برِعظیم کے نامور استاد، محقق و نقاد حافظ محمود شیرانی (۱۸۸۰ء-۱۹۴۶ء) اس ادارے سے بہ طور ریسرچ اسکالر ۱۹۲۸ء میں وابستہ ہوئے۔ حافظ محمود شیرانی نے اُردو میں تحقیق، تدریس و تصنیف اور تنقید کی ایک عظیم الشان روایت کو قائم کیا اور اس روایت کو مستحکم کرنے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں رشید حسن خان نے تحقیق کا معلم اوّل کہا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> "اردو میں تحقیق کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز سے ہوتا ہے کسی تکلف کے بغیر شیرانی صاحب کو اردو میں تدوین و تحقیق کا معلم اول کہا جاسکتا ہے۔ شیرانی صاحب نے قدیم انداز تعلیم اور مغربی انداز نظر دونوں سے فیض پایا تھا۔ مزاجاً ان کو تحقیق سے مکمل مناسبت تھی

> اوران کے یہاں وہ منطقی انداز موجود تھا جس کے بغیر انداز گفتگو میں صحت اور استخراج نتائج کا سلیقہ آ ہی نہیں سکتا۔ زود نویسی، آسان پسندی اور کم نظری سے انہیں گویا کوئی علاقہ نہیں تھا، نہ پرستاریِ وہم سے سروکار تھا۔ تحقیق اور تدوین دونوں موضوعات پر ان کا بیشتر کام مثال و میعار کی حیثیت رکھتا ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اگر چہ ان کے کام کی اہمیت اور فضیلت کو برابر تسلیم کیا گیا لیکن عملی سطح پر مدت تک ان کے طریقہ کار کا اثر قبول نہیں کیا گیا۔"(۱)

حافظ محمود شیرانی کے نمایاں ادبی کارناموں میں مجموعہ نغز، خالق باری، فردوسی پر چار مقالے، پنجاب میں اردو، تنقید بر آبِ حیات، تنقیدِ شعر العجم، تنقید دیوانِ ذوق، پرتھوی راج راسا (تدوین و تحقیق) اور دیگر کتب میں سرمایہ اردو، دیوانِ غالب نسخہ شیرانی اور تحقیقی و تنقیدی مقالات شامل ہیں۔ ان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے مظہر محمود شیرانی نے انھیں کتابی صورت میں دس جلدوں میں ترتیب دیا جسے مجلسِ ترقّی ادب نے شائع کیا۔ ان مقالات کے موضوعات لسانی مطالعات، تاریخ، شاعری اور لسانی نظریات پر مشتمل ہیں۔ حافظ محمود شیرانی ہی وہ شخصیت ہیں جنھوں نے تحقیق وتدوین کے دبستانِ لاہور کی بنیاد رکھی۔ زبان وادب کے حوالے سے چلے آنے والے غلط نظریات کی تردید کی اور صحیح نظریات کی بنیاد رکھی۔ شیرانی وہ واحد محقق ہیں۔ جنھوں نے تحقیق کے اصول پائیدار بنیادوں پر قائم کیے اور جدید مغربی اصولوں کو رواج دیا۔ حوالے دینے میں احتیاط برتی۔

ڈاکٹر سید عبداللہ (۱۹۰۶۔۱۹۸۶ء) نے اورئینٹل کالج کی علمی و تحقیقی روایت کو آگے بڑھایا۔ آپ ۱۹۲۴ء میں اورینٹل کالج سے بطور فہرست سازِ مخطوطات وابستہ ہوئے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کا نام اورینٹل کالج کی علمی و ادبی روایت کے باب میں سند کا درجہ رکھتا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ایک عمدہ بے نظیر محقق اور استاد بھی تھے انھوں نے کئی نسلوں کی تربیت کا فریضہ سرانجام دیا۔ بیک وقت کئی زبانوں کے ماہر تھے اور عالمی ادب اور فکر پر ان کی نگاہ تھی۔ فارسی اور اردو ادبیات کا جیسا مطالعہ ان کے یہاں نظر آتا ہے انھیں سے مخصوص ہے۔ تنقید و تحقیق ان کا خاص میدان ہے۔ ان کی تحریروں میں تحقیق و تنقید کا امتزاج ملتا ہے، انھوں نے انسان دوستی کی اقدار کو ادب میں اہم قرار دیا، تحقیق و تنقید میں شاعر و مصنف کے مطالعے کے ساتھ اپنے دور کے سیاسی و سماجی حالات کا جائزہ، مغربی ادب کا مطالعہ، معاصر علوم کا جائزہ، حوالوں میں احتیاط برتنا، تمام ممکنہ مآخذ تک رسائی، تاریخ کا مطالعہ، لسانی جائزہ، خارجی و داخلی شواہد اکٹھے کرنا، ادب کی مختلف اصناف کا جائزہ، ان کی تحقیق کو تنقید کی نمایاں خصوصیات ہیں، اردو زبان کی ترویج و ترقی کے لیے جس طرح ڈاکٹر سید عبداللہ نے عملی اقدامات کیے قابلِ تحسین ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی چند نمایاں کتب ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری کا فن، بحث و نظر، سرسید احمد خان اور ان

کے رفقا کی نثر کا فکری و فنی جائزہ، مباحث، اشارات تنقید، میر امن سے مولوی عبد الحق تک، پاکستان میں اردو کا مسئلہ، اطراف غالب، مطالعہ اقبال کے چند نئے رخ، سہل اقبال، مسائل اقبال، نقد میر وار دو ادب کی ایک صدی، اردو ادب ۱۸۵۷ء تا ۱۹۶۶ء، ارمغان علمی، بحث و نظر، تذکرہ مردم دیدہ: از عبد الحکیم حاکم لاہوری، تعلیم کے مقاصد (ترجمہ) تعلیمی خطبات، چند نئے اور پرانے شاعر، طیفِ غزل "کلاس لیکچرز کا مجموعہ)، لاہور میں علمی اور سائنسی کتابوں کی فہرست، لطائف نامہ فخری (مع مقدمہ و حواشی)، نوادر الالفاظ خان آرزو (مع مقدمہ) وجہی سے عبد الحق تک، وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر روبینہ شاہین ان کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> "ڈاکٹر سید عبداللہ کا شمار اردو ادب کے اہم اکابرین میں ہوتا ہے۔ اگر ان معدودے چند لوگوں کا نام لیا جائے جنھوں نے اردو زبان و ادب کو اپنی زندگی کا حصہ نہیں بلکہ پوری زندگی بنایا تو ان میں ڈاکٹر سید عبداللہ کو ضرور شامل کیا جائے گا۔" (۲)

ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۴ء) اورینٹل کالج سے ۱۹۴۹ء میں بطور سینئر لیکچرار وابستہ ہوئے۔ آپ کا شمار ان کہنہ مشق ناقدین میں ہوتا ہے جن کو بچپن ہی سے ادبی ماحول میسر آیا ان کے والد شاعر تھے اور انھوں نے اپنی ذاتی مطالعے کے لیے ایک کتب خانہ بنا رکھا تھا جس میں کلاسیکی ادب کی اہم کتب موجود تھیں۔ ابو اللیث نے ساتویں آٹھویں جماعت ہی سے اس کتب خانے سے استفادہ کیا، کم سنی کے اس مطالعے نے ان کے ذہن پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ پھر علی گڑھ کالج اور رشید احمد صدیقی اور مولانا احسن مارہروی سے اساتذہ کی تربیت نے ان کے ذوق ادب کی آبیاری میں اہم کردار ادا کیا یہی وجہ ہے کہ زمانہ طالب علمی ہی سے ان کی تنقیدی تحریروں میں خاصی پختگی اور رچا ہوا اسلوب نظر آتا ہے۔ تجزیہ کرنے میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی ان کی تنقید کو تحقیقی تنقید بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ ادب پارے کی خوبیوں خامیوں کے ساتھ شاعر یا نثر نگار کی زندگی کی پوری چھان بین کرتے ہیں۔ اس کے عہد کے حالات وواقعات کا جائزہ لیتے ہیں اور ان کی روشنی میں فن پارے کی قدر و قیمت کا تعین کرتے ہیں۔ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "لکھنؤ کا دبستان شاعری" نا صرف ان کی تحقیقی بصیرت و شعور بلکہ تنقیدی نقطہ نظر کو بھی واضح کرتا ہے۔ ان کا زیادہ تر کام دبستانِ لکھنؤ کی تحقیق و تنقید اور لسانی تحقیق کے حوالے سے ہے۔ بقول علی جواد زیدی (۱۹۱۶ء-۲۰۰۴ء):

> "ابو اللیث صدیقی اور نور الحسن ہاشمی دونوں اُردو کے دبستانی محققوں میں اپنا اپنا مقام رکھتے ہیں اور دریائے تحقیق کے جانے پہچانے غوطہ زن ہیں۔ جب یہ لوگ لکھنؤ یا دلی پر کچھ لکھتے ہیں تو ان کی تحریریں خصوصی توجہ کی مستحق ہو جاتی ہیں۔" (۳)

ڈاکٹر ابو اللیث نہ ادب برائے ادب اور نہ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں بلکہ ان کے ہاں مقصدی و جمالیاتی قدروں سے مخلوط ہے وہ ادب کو اشتہار بنا کر پیش کرنے کے خلاف ہیں۔ مشرقی ادب کے ساتھ ساتھ ان کی تنقید میں مغربی ادب اور خاص طور پر مغربی دبستانوں کے اثرات نمایاں ہی۔ نفسیاتی تنقید کے نقوش بھی ان کی تحریروں میں نمایاں ہیں۔ ان کی نمایاں کتب میں تذکرہ حالی، جرأت۔ ان کا عہد اور عشقیہ شاعری، جدید اردو ادب کا بانی، طبقات الشعرا (تلخیص تذکرہ قدرت اللہ شوق)، غزل اور متغزلین، لکھنؤ کی آخری شمع، میر حسن اور ان کا غیر مطبوعہ کلام، مصحفی اور ان کا کلام، لکھنؤ کا دبستان شاعری، روایت اور تجربے، آج کا اردو ادب، اقبال اور مسلک تصوف، انتخابِ نثرِ اردو، تاریخِ ادب کا خاکہ، نظیر اکبر آبادی ان کا عہد اور شاعری وغیرہ شامل ہیں۔ قواعد اردو کے حوالے سے بھی آپ کا کام اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے مختلف سطح کے نصابات بھی مرتب کیے۔

سید وقار عظیم (۱۹۱۰۔۱۹۷۶) ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ اورنٹل کالج لاہور سے ۱۹۵۰ء میں بطور سینئر لیکچرر وابستہ ہوئے۔ اردو فکشن کی تاریخ و تنقید میں ان کا نام و مرتبہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ سید وقار عظیم کا شمار ان اولین نقادوں میں ہوتا ہے جنھوں نے فکشن کی تنقید کا آغاز کیا۔ سید وقار عظیم کی ادبی جہات کا جائزہ لیا جائے تو انہیں ہم افسانہ، داستان، ناول، شاعری، ڈرامہ، اقبالیات اور غالبات کی میں منقسم کر سکتے ہیں۔ سید وقار عظیم نے اپنے آپ کو تحقیق و تنقید میں انتہا پسندانہ رویوں سے دور رکھا اور ان کا ذہن تنقید میں متوازن نظر آتا ہے۔ بقول مولوی عبدالحق (۱۸۷۰-۱۹۶۱):

> "کچھ نقاد ہے جو نہ زیادہ مغرب زدہ ہیں، نہ اشتراکی نہ مارکسی نظریے سے مغلوب، انہوں نے مغرب کے اثر میں آکر مشرقی اصول اور تنقید کو ترک نہیں کیا۔ ان کی تنقید میں توازن اور اعتدال ہے، انتہا پسندی نہیں، سید وقار عظیم بھی اسی قسم کے نقاد ہیں-"(۴)

ادب کے حوالے سے ان کا خیال ہے کہ "ادب ایک نئی زندگی کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔ انتخابِ مومن، باغ و بہار، الف لیلیٰ سرشار، فردوسِ بریں، نقلیاتِ میر بہادر علی حسینی، بیتال پچیسی، مثنوی گلزارِ نسیم، اندر سبھا کی ترتیب و تدوین کی عمدہ مثالیں ہیں۔ ان مرتبہ مدون کی ہوئی کتب میں سید وقار عظیم نے تنقیدی مقدمے، تصنیفات کے نسخوں، اسلوب، صاحبِ کتاب کا تعارف، سیاسی و سماجی پس منظر بھی بیان کیا ہے۔ آغا حشر کے ڈراموں کا متن ایک عرصے تک ناقص رہا اس کی تدوین کی طرف توجہ دی۔ اسی طرح امتیاز علی تاج کے زمانے میں مجلس ترقی ادب سے وابستہ ہو کر اردو ڈرامے کے متون کو تاریخی ترتیب کے ساتھ صحیح اور دیدہ زیب انداز میں شائع کیا۔ متن کی تصحیح، ترتیب، حواشی اور ان کی پیشکش میں اہم کردار ادا کیا۔ اقبالیات کے حوالے سے بھی ان کا نام اہم ناقدینِ اقبال میں شمار ہوتا ہے۔ اقبال معاصرین کی نظر میں،

اقبالیات ایک مطالعہ اور اقبال شاعر اور فلسفی گراں قدر اضافہ ہے۔ غرض کہ وقار عظیم بہت بڑے لکھنے والے تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں سے اردو زبان و ادب اور خصوصاً افسانوی ادب کی تحقیق و تنقید کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کی ہے اور جس طرح یہ نقاب کشائی کی ہے اور ادبی روایت کے خلاؤں کو جس طرح پر کیا اس میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ترجمہ نگاری کے حوالے سے بھی آپ کا نام اہمیت رکھتا ہے۔ سید وقار عظیم نے ادبی، سیاسی، تاریخی، نفسیاتی، تنقیدی سبھی موضوعات کی کتب کے ترجمے کیے۔ اصطلاحات سازی کے سلسلے میں پنجاب یونیورسٹی میں ان کی زیر نگرانی طبیعات، اقتصادیات، نفسیات اور فلسفہ پر جو کام ہوا قابل تحسین ہے۔ ان کے مشہور تراجم میں ن واشنگٹن ارونگ کی کتاب The Alhamra قصص الحمرا کے نام سے شائع ہوا۔ امریکی ناول اور اسکی روایت، ایمرسن کے مضامین، دنیا کی مختصر تاریخ، تلاش ہند اہم تراجم ہیں۔ آپ نے نصابی کتب بھی مرتب کی ہیں۔ پاک اردو ریڈر (پہلی سے آٹھویں جماعت کے لیے)، نئی کتاب (پہلی سے آٹھویں جماعت کے لیے) اچھی کتاب (قاعدے سے پانچویں جماعت کے لیے)، اردو قواعد و انشاء (برائے جماعت نہم و دہم) اس حوالے سے اہم کتب ہیں۔ ان کی دیگر کتب میں ہمارے افسانے، نیا افسانہ، آغا حشر اور ان کے ڈرامے، ہماری داستانیں، داستان سے افسانے تک، فن اور فنکار، فورٹ ولیم کالج، وقار غالب، علامہ راشد الخیری، مرثیے پر چند تحریریں وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی (۱۹۲۰۔۱۹۹۸ء) کا شمار اُردو کے اہم نقادوں میں ہوتا ہے۔ آپ ۲۵، اپریل ۱۹۵۰ء اورینٹل سے بطور سینئر لیکچرار منسلک ہوئے۔ ان کی شخصیت ہمہ جہت پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ ان کی حیثیت بطورِ محقق نقاد، خاکہ نگار، مترجم، اور تاثر نگار، سفر نامہ نگار اور سوانح نگار کے مسلم ہے۔ ان حوالوں سے ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ تنقید کے حوالے سے ان کا نمایاں کارنامہ اُردو تنقید کا ارتقا ہے۔ یہ انکا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ یہ کتاب آج بھی اُردو تنقید میں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اس بیان کی نفی اپنی کتاب کے ذریعے کی ہے جس کے مطابق اُردو میں تنقید کا وجود ہی نہیں۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی تنقید کا وجود تخلیق سے پہلے ہی وجود میں آجاتا ہے کیونکہ کوئی بھی ادبی کارنامہ تنقیدی شعور سے ہی وجود میں آتا ہے لہٰذا تنقید کسی طرح بھی تخلیق سے الگ نہیں۔ تنقید کے حوالے سے ڈاکٹر عبادت بریلوی کا نظریہ یہ ہے کہ تنقید صرف نکتہ چینی کا نام نہیں۔ کیونکہ تنقید کا پہلا اصول ہی یہ ہے کہ وہ ذاتی بغض و عناد سے پاک ہو۔ آپ کی تنقید دوسرے نقادوں کی طرح انتہا پسندی کا شکار نہیں ہے۔ ان کی عملی تنقید غزل، کلاسیکی شعرائے غزل اور جدید نظم و نثر کا احاطہ کرتی ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے اہم تنقیدی سرمائے میں تنقید اور اصولِ تنقید، تنقیدی تجربے، تنقیدی زاویے، ادب اور ادبی قدریں، روایت کی اہمیت، جدید شاعری، شاعری اور شاعری کی تنقید، ولی اورنگ آبادی، غزل اور مطالعہ غزل، حضرت خواجہ

میر درد دہلوی، میر تقی میر، غالب کا فن، غالب اور مطالعہ غالب، مومن اور مطالعہ مومن، افسانہ اور افسانہ کی تنقید، اقبال کی اردو نثر وغیرہ شامل ہیں ان کتابوں میں تنقید کی ماہیت، دبستان اور تنقید کے اہم مباحث اور آغاز وارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تنقید کے حوالے سے ان کا نظریہ یہ ہے:

> "تنقید زندگی سے براہِ راست تعلق رکھتی ہے وہ زندگی کو سمجھنے اور اس کے مختلف مظاہر کو جاننے کا ایک ذریعہ ہے۔ زندگی کے ان مظاہر میں فن اور ادب کے شعبے بھی ہیں۔ ادبی تنقید ان کے نشیب و فراز کا سراغ لگاتی ہے۔ ان کا انسانی حدود میں رکھنا اس کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔"(۵)

تحقیق کے میدان میں بھی ڈاکٹر عبادت بریلوی نے گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ تحقیق کے حوالے سے ان کا اہم کارنامہ قدیم متون کی دریافت ہے۔ جس سے تاریخ ادب کا خلاء پر ہوتا ہے۔ ان متون کی دریافت نا صرف اہمیت رکھتی ہے بلکہ ان پر ڈاکٹر عبادت بریلوی نے مضبوط اور جامع مقدمات بھی درج کیے ہیں۔ ان مقدمات میں مصنفین کے حوالے سے جامع تعارف اور مفید معلومات کے علاوہ ان کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کو بھی رفع کیا ہے۔ عبادت بریلوی کی تحقیقی کتب میں افسانہ عشق، قصہ نل ومن، مختصر کہانیاں، دیوان حیدری، گلشن ہند، گلزار دانش، شکنتلا، چار گلشن، ممتاز المثال، مراثی جرأت، نالہ درد، دیوان فارسی، رسالہ کائنات، سیاحت نامہ، مادھونل اور کام کنڈلا، ہفت گلشن، دیوان ولا، گلزار چین ان قدیم متون کے علاوہ کلیات میر، نکات الشعرا، مرقع مخلص، شکوہ فرہنگ، نقلیات ہندی، کلیات مومن، خطبات عبدالحق، مقدمات عبدالحق، Poems of Dr. John GilChrist شامل ہیں۔ خاکہ نگاری کے حوالے سے بھی ڈاکٹر عبادت کا نام اہمیت کا حامل ہے۔ خاکہ نگاری میں ان کا مزاج تخلیقی ہے۔ ان کے بہت سے خاکے اعلیٰ ترین خاکوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے اب تک آٹھ خاکوں کے مجموعے چھپ چکے ہیں ان میں رہ نوردان شوق، آوارگانِ عشق، جلوہ ہائے صدرنگ، یاران درینہ، بلاکشان محبت، غزالانِ رعنا، آہوانِ صحرا اور شجرہائے سایہ دار شامل ہیں۔ ڈاکٹر عبادت کی خاکہ نگاری میں افسانوی رنگ ملتا ہے۔ مکالماتی اور ڈرامائی انداز سے اپنے خاکوں میں دلچسپی کا رنگ بھرتے ہیں۔ کہیں کہیں مزاح کا پہلو نظر آتا ہے کہیں تاثراتی۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی بطور مترجم کے حوالے سے ان کی دو کتب اہم ہیں۔ جان ڈیوی کی کتاب Freedom and culture کا ترجمہ "آزادی کی تہذیب" اور تھیڈس بی کلارک کی کتاب what is honesty کا ترجمہ "دیانت داری کیا ہے؟" کے نام سے کیا۔

بطور خطوط نگار ڈاکٹر عبادت بریلوی کو دیکھا جائے تو انھوں نے ان خطوط کو مرتب کیا ہے جو ان کے احباب، بزرگوں اور ان کی قدر کرنے والوں نے لکھے ہیں۔ ان کی زندگی میں خطوط کے جو مجموعے شائع

ہوئے ان میں خطوطِ عبدالحق، خطوطِ پروفیسر احتشام حسین، خطوط محمد حسن عسکری، اور خطوط احمد ندیم قاسمی شامل ہیں۔ یہ خطوط عصری مسائل سے آگاہی اور ڈاکٹر عبادت بریلوی کی زندگی کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی کے رپور تاژ بھی ادب میں انفرادیت رکھتے ہیں۔ انجمنِ گل، آزادی کے سایے میں، لندن کی ڈائری ان کے اہم رپور تاژ ہیں۔ ان کی نمایاں خصوصیات صداقت، دلچسپی حقیقت نگاری اور اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے دو سفر نامے بھی لکھے۔ ترکی میں دو سال اور دیارِ حبیب میں چند روز سفر ناموں میں آپ کی مشاہداتی قوت، ہمدردانی نقطہ نظر کے عکاس ہیں۔ عبادت بریلوی کی خود نوشت "یادِ عہدِ رفتہ کے نام سے چھپ چکی ہے۔ ان تمام خدمات کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ عبادت بریلوی نے ادب کی ہر جہت میں خود کو منوایا۔

اردو ادب میں ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (۱۹۲۴ء-۲۰۰۷ء) کی بہت سی جہتیں ہیں۔ محقق و نقاد بھی ہیں، تخلیق کار بھی، تاریخ نگار بھی اور اقبال شناسی میں اپنا منفرد مقام و مرتبہ رکھتے ہیں لیکن بطورِ محقق و نقاد ان کا مرتبہ بلند ہے۔ آپ اورینٹل کالج لاہور سے ۱۹۵۶ء میں بطور ریسرچ سکالر ادارہ تصنیف و تالیفات پنجاب وابستہ ہوئے۔ بطورِ محقق غلام حسین ذوالفقار کی تحقیق نے اُردو میں نئے باب رقم کیے ہیں۔ تحقیق کے حوالے سے ان کی نمایاں کتب اُردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر، ظفر علی خان، حیات خدمات و آثار، پنجاب تحقیق کی روشنی میں، موہن داس چند گاندھی لسان العصر کی نظر میں، جدوجہد آزادی میں پنجاب کا کردار، خالص تحقیقی و تاریخی تصانیف ہیں۔ باقی تصانیف میں بھی تحقیقی شعور واضح ہے۔ بطور مدون و مرتب ان کی ادبی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو خیالاتِ آزاد ان کی نمایاں کتاب ہے اس میں آپ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ محمد حسین آزاد کی کتاب نہیں بلکہ نواب سید محمد آزاد کی کتاب ہے۔ دیگر مدون و مرتب کتب میں مضامینِ سر سید، محاسنِ خطوطِ غالب، مسدسِ حالی مدوجزرِ اسلام، نذرِ رحمٰن، کاروانِ شوق، پنجاب تحقیق کی روشنی میں، بیادِ اقبال، خاطرات (ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی)، شاہ حاتم (حالات و کلام)، خیالستات (مرتب)، نیرنگِ خیال (مرتب)، دیوان زادہ، کاروانِ شوق، مضامی تنقید کے حوالے سے دیکھا جائے تو عملی اور نظریاتی دونوں طرح کی تنقید پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کسی فن پارے کا موضوعی اور ظاہری سطح دونوں طرح سے تنقیدی تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ بعض اوقات فن پارے کی جمالیاتی اقدار کا بھی جائزہ لیتے ہوئے اس کے ادبی حسن کو واضح کرتے ہیں۔ تنقید میں تاریخ کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ کسی تحریر شخصیت یا ادبی تصنیف کا تجزیہ کرتے ہوئے علم و ادب کی مجموعی تاریخ کو مدِ نظر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین اپنے تنقیدی سرمائے کو اس کی نوعیت، موضوع کی نزاکت اور عصرِ حاضر سے اس کے تعلق کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ اپنے دور کے سیاسی، معاشرتی اور نفسیاتی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تنقیدی آراء رقم کرتے ہیں۔

شخصیت کے ذاتی حالات، ماحول اور اس کے ماخذات کی روشنی میں بھی نتائج اخذ کرتے ہیں۔ تنقید کرتے ہوئے توازن، ترتیب اور نظم وضبط جیسے رویے نمایاں رکھتے ہیں۔ تنقید میں اخلاقیات کے بھی قائل ہیں۔ ان کی دیگر نمایاں تنقیدی کتب اقبالیات کے حوالے سے اقبال کا اسلوبِ نگارش، بیادِ اقبال، اکبر اور اقبال، اقبال ایک مطالعہ اہم ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی تحریریں نا صرف محققین بلکہ ادب کے قارئین اور طلباء کے لیے یکساں مفید ہیں۔ تاریخ جامعہ پنجاب کی ترتیب بھی ان کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی تحقیقی تصانیف میں کہیں بوجھل انداز اختیار نہیں کیا۔ بقول ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ:

> "ڈاکٹر صاحب بہترین محقق اور معلم ہیں تحقیق اور تدریسی چیزیں اگر استاد میں ہوں تو طلباء کے لیے مفید ہیں۔ میں نے ان کتابوں مطالعہ اکبر، اقبال کا ذہنی ارتقا، دیوان زادہ، تاریخ اورینٹل کالج اور صد سالہ تاریخ جامعہ پنجاب کا مطالعہ کیا ہے۔ انھوں نے ہر تحقیقی منصوبہ بروقت پورا کیا۔ انھوں نے جو کتاب لکھی شائع ہوئی جو ایک اچھی تحریر کا ثبوت ہے۔ ان کا شمار بہترین محققین میں ہوتا ہے۔"(٦)

ڈاکٹر وحید قریشی (۱۹۲۵۔۲۰۰۹ء) محقق، نقاد، شاعر، مرتب اور استاد ہیں۔ میٹرک کے بعد ہی آپ نے شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ آپ کا تقرر اورینٹل کالج میں بطور لیکچرر اردو ۱۹۶۲ میں ہوا۔ بقول افتخار عارف: "ڈاکٹر وحید قریشی محقق ہیں، مترجم ہیں، اسکالر ہیں، شاعر ہیں، استاد ہیں، اور ایسی ہمہ جہت شخصیت کہ جن کی ساری زندگی جہانِ فکر و دانش کے در و بام تعمیر کرتے، سنوارتے، سجاتے گزری۔"(٧) ان کا نام تحقیق و تنقید کی تاریخ میں نمایاں مقام اور ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی اورینٹل کالج لاہور کی اس ادبی و تحقیقی روایت کے اہم ترین نمائندہ ہیں جس کی بنیاد وولنر (۱۸۷۸۔۱۹۳۶ء)، لائٹنر، سر ارل سٹین (۱۸۶۲۔۱۹۴۳ء) اور حافظ محمود شیرانی نے رکھی تھی اور جس کی آبیاری مولوی محمد شفیع (۱۸۸۳۔۱۹۶۳ء)، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال (۱۸۹۴ء–۱۹۴۸ء) اور ڈاکٹر سید عبداللہ جیسے اکبر محققین نے کی۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے اسی روایت کو آگے برقرار رکھا بلکہ آگے بھی بڑھایا اور اس فن میں نئی سمتوں اور جہتوں کا سراغ لگایا۔ ڈاکٹر وحید قریشی زمانہ طالب علمی ہی سے تحقیق کی طرف مائل تھے جب انھیں مولوی محمد شفیع، شیخ اقبال اور ڈاکٹر سید عبداللہ جیسے اساتذہ کی رہنمائی و سرپرستی حاصل ہوئی تو ان کی صلاحیتوں کو مزید جلا ملی۔ ڈاکٹر وحید قریشی تحقیق کے ساتھ ساتھ تنقیدی ادب کو سائنٹفک انداز میں برتا تحقیقی ادب پاروں کو تنقیدی اسلوب سے ہم آہنگ کیا ہے۔ پاکستان میں اردو تحقیق کو استحکام بخشا۔ نئی زندگی عطا کی جدید تحقیق میں نئے رجحانات کو فروغ دیا۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیق کا بنیادی میدان شاعری، تاریخ خصوصاً مغلوں کا آخری دور، تاریخ پنجاب، تحریکِ پاکستان اور میر حسن تھا۔

"تنقید میں ڈاکٹر وحید قریشی نفسیاتی دبستان کے پیرو ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی تحقیق اور تنقید دونوں کو متوازی خطوط کی طرح لے کر چلتے ہیں۔ ان کی تنقید تحقیق کی راہنمائی کرتی ہے اور تحقیق تنقید کی۔ ان کی تنقید فن پاروں پر بے جان تبصرہ بن کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس میں حقائق کی جاندار دریافت، صداقت کی بے مثل کھوج، واقعیت کی عظمت موجود ہے۔ ان کا اسلوب سادہ شگفتہ روان ہے۔ ان کی تنقید نے کوئی ایک میدان نہیں چنا بلکہ نثر، شاعری، قدیم و جدید ادب سب پر حاوی ہے۔ انہوں نے ادبی گروہ بندی سے دور رہ کر اپنے لیے جو راستہ منتخب کیا۔ وہ آنے والے ادوار میں بھی علمی راستوں پر گامزن طالب علموں کی رہنمائی اور سیرابی کرتا رہے گا۔"(۸)

ڈاکٹر وحید قریشی نے تحقیق و تنقید اور تخلیق کے مقام اتصال کا شعور دیا ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیق کا جائزہ لیا جائے تو تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ تحقیق میں دبستان لاہور سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اس دبستان کے بنیاد گزار شیرانی ہیں۔ اس دبستان میں مختلف علوم کے مطالعے کو زبانوں کے مطالعے کے لیے ضروری قرار دیا گیا ۔ تاریخ کو اس نظامِ تحقیق میں مرکزی حیثیت حاصل ہے ۔ متن سے حاصل کردہ واقعات اور سنین کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ اردو تحقیق کی روایت کو اسی دبستان نے احتیاط کا اعلیٰ معیار دیا۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیق بھی انہی خصوصیات سے متصف ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی کثیر التصانیف محقق و نقاد ہیں۔ ان کی مختلف مؤضوعات پر تصانیف ان کے ادب سے لگاؤ اور وسعتِ مطالعہ کی غماز ہیں۔ ان کی نمایاں تحقیقی و تنقیدی کتب میں شبلی کی حیاتِ معاشقہ، حسن اور ان کا زمانہ، مطالعہ حالی، کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ، تنقیدی مطالعے (مجموعہ مقالات)، باغ و بہار ایک تجزیہ، نذرِ غالب، اردو نثر کے میلانات، مقالات تحقیق، جدیدیت کی تلاش میں، افسانوی ادب (مجموعہ مقالات)۔ ڈاکٹر وحید قریشی کی ایک ادبی جہت اقبال شناس کی بھی ہے اس حوالے سے ان کا ادبی سرمایہ اقبال اور پاکستانی قومیت، اساسیاتِ اقبال، علامہ اقبال کی تاریخ ولادت (ترتیب، شریک مرتب)، منتخب مقالات اقبال ریویو (ترتیب)۔ تاریخِ پاکستان کے حوالے سے اہم کتب پاکستان کی نظریاتی بنیادیں، قائداعظم اور تحریکِ پاکستان، پاکستانی قومیت کی تشکیل نو۔ تعلیمی کتب میں پمفلٹ قرآنِ حکیم کی روشنی میں تعلیم، دفتری اردو، قومی زبان اور ہمارا قومی تشخص، اردو بحیثیت قومی زبان، تحریکِ پاکستان کے ثقافتی عوامل، ہمارا نظامِ تعلیم اور قومی زبان۔ شعری مجموعے نقدِ جاں، الوام، ڈھلتی عمر کے نوحے۔ درسیات کے حوالے سے کتب جدید ترجمہ فارسی، قواعد و انشاء (جماعت ششم، ہفتم، ہشتم)۔ ترتیب و تدوین کے حوالے سے اہم کتب مقدمہ شعر و شاعری، دیوان سودا (انتخاب)، پنجاب میں اردو، اردو کا بہترین انشائی ادب، انتخاب دیوان آتش، ، مثنویات میر

حسن، دیوان جہاں دار، مثنوی سحر البیان،۱۹۲۵ کے بہترین مقالے، یونیورسٹی اور ینٹل کالج کے اساتذہ کا تحقیقی، ادبی اور درسی سرمایہ، یونیورسٹی اوینٹل کالج کے ریسرچ سکالروں اور اساتذہ کی سنین وار فہرست، تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاک وہند۔ فتدوین و ترتیب کے حوالے سے فارسی کتب نامہ عشق: از اندرجیت منشی (تدوین، فارسی کتاب)، دربار ملی (مرتب، فارسی کتاب)، عمل صالح الموسوم بہ شاہجہان نامہ۔ ارمغان ایران، ہمیشہ بہار۔ تدوین و ترتیب کے حوالے سے پنجابی کتب یارنامہ (سی حرفی)، مثنوی چندر بدن مھیار: از قادر بخش وزیر آبادی۔ تاریخ کے حوالے سے ترتیب و تدوین ارمغانِ لاہور۔ ابلاغیات کے حوالے سے ترتیب توضیحی کتابیات ابلاغیات (بہ اشتراک سید جمیل احمد رضوی)۔ درسی کتب کی ترتیب کے حوالے سے کتبPakistan Historical Readers، ادب پارے، مرقع اردو، پاکستان کی قدیم اردو شاعری، مخزن ادب، نصاب اردو لازمی وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی کا تمام علمی و ادبی سرمایہ ان ہی کتب پر محیط ہے علاوہ ازیں ان کے مختلف موضوعات پر مقالات بھی ملک کے مشہور رسائل و جرائد میں چھپ چکے ہیں۔

ڈاکٹر ناظر حسن زیدی (۱۹۱۷ء-۲۰۰۴ء) کا نام کاشمار ان لوگوں میں ہوتا ہے ۔ جنھیں نابغہ روزگار کہنا بجانہ ہوگا۔ انہیں قدرت نے جن جن صلاحیتوں سے نوازا تھا اور جو ذہانت اور فطانت ودیعت کی تھی۔ اس سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا اور ہمیشہ علم کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رکھا آپ نے اپنی ساری عمر درس و تدریس میں صرف کردی علم و ادب سے انہیں والہانہ شغف تھا۔ اورینٹل کالج لاہور میں آپ کا تقرر بطور لیکچرار فروری ۱۹۶۳ء میں ہوا۔ تحقیق کے حوالے سے ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان "مومن دہلوی" ہے ۔جس میں ان کا تحقیقی شعور نمایاں ہے۔ اس مقالے کو جامع اور تحقیقی مواد کی بنا پر اہمیت حاصل ہے۔ یہ مقالہ اس لیے منفرد ہے کہ جس طرح ناظر حسن زیدی نے مومن دہلوی (۱۸۰۰۔۱۸۵۲ء) کی شخصیت و فن پر اس میں کام کیا ہے اس سے پہلے ایسا جامع کام مومن کے حوالے سے سامنے نہیں آیا۔ ڈاکٹر ناظر حسن زیدی تحقیق کے حوالے سے ناظر حسن زیدی کی مرتبہ کی ہوئی کتابیں بھی اہم ہیں ان کتابوں کے مقدمے میں تحقیق و تنقید کا حسین امتزاج ملتا ہے. یہ مرتبہ کتب طالب علموں کی ضرورت کے عین مطابق ہیں۔ ان مرتبہ کتابوں میں گل مغفرت، باغ و بہار، امراؤ جان ادا ،توبۃالنصوح شامل ہیں. خلاصۃ التواریخ اور شاہ جہاں نامہ دونوں کتابیں ترجمہ کے ذیل میں آتی ہیں۔ مگر ان کا مقدمہ تحقیقی و تنقیدی نقطہ نظر سے اہم ہے۔ دیگر کتب میں اتاترک، بچے اور والدین، تاریخِ ایجادات مواصلات، قلوپطرہ، مکتوبات سعد اللہ خان شامل ہیں۔

ڈکٹر خواجہ محمد زکریا (۱۹۴۰ء) اردو ادب میں بطور قابل معلم، محقق و نقاد، مدون، مرتب، منتخبہ، اقبال و مجید امجد شناس اور تخلیق کار کے جانے جاتے ہیں۔ زکریا صاحب نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اردو

ادب کی خدمت میں گزارا ہے چنانچہ ان کی اردو ادب کے حوالے سے خدمات کو لفظوں میں مقید کرنا ناممکن ہے۔ زکریا صاحب نے ان موضوعاتِ تحقیق و تنقید پر قلم فرسائی کی جن پر کم توجہ دی گئی یا یادلجمعی سے کام نہیں کیا گیا۔ زکریا صاحب کی تحقیق و تنقید میں غیر جانبدارانہ و مدبرانہ تحقیق کی ہے۔ زکریا صاحب کے نزدیک نقاد کی کچھ ذمہ داریاں بھی ہیں اس حوالے سے زکریا صاحب نے ایک انٹرویو میں رقمطراز ہیں:

> "نظریات خلا میں پیدا نہیں ہوتے اس کے لیے۔۔۔ اگر مختلف شخصیات کے ادب کا دقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اصول و نظریات بنائے جاسکتے ہیں۔ اس لیے شخصیات کے گرد تنقید کا گھومنا اس کی مجبوری ہے۔ کوئی تنقید خلا میں نظریات پیدا کر کے یہ دعوت نہیں دے سکتی کہ اس کی روشنی میں ادب تخلیق کرو البتہ یہ بجا ہے کہ نقاد کو چند گنی چنی شخصیات تک محدود نہیں رہنا چاہیے، ہر دور میں اچھا برا ادب بڑی مقدار میں تخلیق ہوتا رہتا ہے اس کی چھان پھٹک کر کے اچھے لکھنے والوں کو متعارف کرانا نقاد کی ذمہ داری ہے۔"(۹)

بحیثیت مدون اہم کلیات کی تدوین کا کام سرانجام دیا۔ درسی کتب ترتیب دیں، اقبال کے کلام کی شرح کی، نثری و شعری تحرویروں کے انتخابات پیش کیے۔ بطور اقبال(۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) و مجید امجد (۱۹۱۴-۱۹۷۴ء) شناس ان کی خدمات لائقِ تحسین ہیں۔ اقبال کے فکر و فن کی تفہیم، اقبال کے کلام کی شرح، مقالاتِ اقبال کا انتخاب، اقبال کے فارسی کلام کا ترجمہ، اقبال کے حوالے سے انگریزی تحریروں کا ترجمہ اقبال فہمی کے حوالے سے اہم مآخذ ہیں۔ مجید امجد شناسی ان کے نام کے بغیر ادھوری ہے۔ اس حوالے سے زکریا صاحب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مجید امجد کے فکر و فن کے حوالے سے مضامین، کلیاتِ مجید امجد کی تدوین، کلام کا انتخاب خاصے کی چیز ہے۔ قدیم اصنافِ شعر، قدیم و جدید شعرا کی شاعری پر تنقید و تبصرہ بھی کیا ہے۔ زکریا صاحب کا نام اردو اردو ادب میں انفرادیت کا حامل ہے۔ ان کی ادبی خدمات کا اعتراف ادبی حلقوں میں بڑے احترام سے کیا جاتا ہے۔ ان کا انداز انکا اپنا تخلیق کردہ ہے، مطالعہ کی وسعت نے ان کی تحریر کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ان کی تحریریں ان کے گہرے تنقیدی شعور، واضح اندازِ تحقیق، منفرد لہجے، اردو شعر و ادب کی روایت پر ان کی عمیق نظر کی غماز ہیں۔ ان کا اہم کارنامہ "تاریخِ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند" کی سات جلدوں کی ترتیب و تہذیب بھی شامل ہے۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی اہم کتب میں قدیم نظمیں، اردو کی قدیم اصناف شعر، نئے پرانے خیالات، اردو میں قطعہ نگاری، اقبال کا ادبی مقام، اکبر الہ آبادی: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، روشنی کی جستجو، چند اہم جدید شاعر، کلیات مجید امجد، کلیات حفیظ جالندھری، انتخاب زریں: اردو نظم، انتخاب زریں: اردو غزل، کلیات عدم، نظر نامہ (مرتب)، کلیاتِ حالی، شرح بانگِ درا، تفہیمِ بالِ جبرئیل وغیرہ۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی(۱۹۱۷۔۲۰۰۰ء) شعبہ اردو اورینٹل کالج میں ۱۵ دسمبر ۱۹۶۳ء میں لیکچرر مقرر ہوئے۔۔ ان کے ادبی کام میں زیادہ تر تدوین کے حوالے سے کیا گیا کام شامل ہے، فسانہ مبتلا، کلیات نظم حالی، کلام حکیم، جواہر حالی، توبۃ النصوح شامل ہیں۔ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے تحقیق و تدوین کے لیے وہ تصانیف منتخب کی ہیں جن کو پہلے کئی بار شائع کیا جا چکا ہے۔ بار بار اشاعت کی وجہ سے ان میں اغلاط بھی بڑھتی گئیں۔ کاتبوں نے اپنی منشا کے مطابق تبدیلیاں کی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان مغالطوں کو کافی حد تک صحیح کیا ہے۔ افتخار احمد صدیقی کی تنقید کا جائزہ لیا جائے تو اس کے چار میدان ہیں۔ ا۔ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے احوال و آثار ۲۔ الطاف حسین حالی کی شاعری ۳۔ اقبال کی شخصیت و سیرت اور فکر و فن ۴۔ دیگر کلاسکی اُردو شعرا۔ مولوی نذیر احمد احوال و آثار، عروجِ اقبال، فروغِ اقبال ان کی دیگر نمایاں کتب ہیں۔ نقشِ دوام ان کی آپ بیتی ہے۔ ترجے کے حوالے افتخار احمد صدیقی نے اقبال کے Stray Reflections کا "شذراتِ فکر اقبال" کے نام سے ترجمہ کیا۔

تبسم کاشمیری(۱۹۴۰ء) ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ نے تحقیق، تنقید، تراجم، شاعری، ناول نگاری، ادبی تاریخ میں طبع آزمائی کی۔ ان کے ادبی منظر نامہ روشنی ڈالی جائے تو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے ہمیں وقیع، معلومات افزا اور جامع تصانیف عطا کی ہیں جن سے قاری مستفید ہو رہے ہیں۔ اورینٹل کالج لاہور میں مارچ ۱۹۶۸ میں آپ کا تقرر بطور لیکچرار ہوا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی ادبی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو وہ اردو کی ادبی دنیا میں اپنے وسیع مطالعے، مشاہدہ، طویل تدریسی خدمات، علم و ادب کے مطالعہ اور ذوق شوق، مسلسل محنت اور کام کرنے کی عادت، شاعری سے لگاؤ، تحقیق کے جنون اور ادبی تاریخ نگاری میں فتوحات کی بنا پر اپنی منفرد پہچان اور مقام بنا چکے ہیں۔ بلاشبہ ان کا شمار ان محققین میں ہوتا ہے جو اردو تحقیق کو جدید تقاضوں کے مطابق اعلیٰ اور بین الاقوامی معیار پر لانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی اعلیٰ تحقیقی و تنقیدی خدمات کے پیچھے ان کا روحانی خاندانی پس منظر، بچپن سے مطالعہ کی عادت اور بحیثیت استاد فرائض منصبی میں پوری دیانتداری اور محنت و لگن کی کارفرمائی ہے۔ اپنی تعلیمی و ادبی زندگی میں آپ نے جتنے ادوار دیکھے ہر دور کو اپنی طبیعت، فطرت اور مزاج کے مطابق انتہائی سنجیدگی، خلوص اور محبت سے گزارا۔ ڈاکٹر نفیس اقبال "ڈاکٹر تبسم کاشمیری بطور نقاد" مضمون میں لکھتی ہیں:

> "ڈاکٹر تبسم کاشمیری نہ صرف ایک صاحب علم اور بااخلاق متوازن شخصیت ہیں بلکہ موجودہ دور کے بہت بڑے نقاد ہیں۔ جس طرح ان کی علمی شخصیت ہمہ جہت ہے اسی طرح ان کی تنقید میں بھی بے شمار جہات ہیں۔ تاریخی جہت، لسانی جہت، سماجی جہت، تہذیبی جہت، صوفیانہ جہت اور تحقیقی جہت۔ ان کی تنقید میں تلاشِ ذات اور انکشافِ ذات کا پہلو بھی ہے۔

ان کی تنقید میں انفرادیت بھی ہے اور اپنا ایک تنقیدی انداز بھی۔ جس میں وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ان کے تنقیدی گلدستے میں جتنے رنگ ہیں وہ ان کے تخلیقی اندازِ نظر کی غمازی کرتے ہیں۔ ان کی تنقید میں ایک نئی دنیا ہے جہاں وجدانی دنیا کا تجربہ بھی ہے اور تخلیقی لمحات کا ذکر بھی۔ گویا ان کی تنقید ایک نئی دنیا کا انکشاف بھی ہے۔ ان کے نزدیک فارمولہ تنقید کسی منفرد شاعر کے شعری تصورات اور شعری بصیرت کے ماخذات پر قدرت نہیں رکھتی۔ اس لیے وہ شاعری کے مغز تک نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی نظموں کا تجزیہ کر سکتی ہے۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے یہاں تنقیدی بصیرت اور تنقیدی نظام ہے۔ان کے نزدیک تنقید نگار کو مصنف کی انفرادیت کے جوہر سے واقفیت ضروری ہے اور نقاد کا کام اس جوہر کو منکشف کرنا ہے۔"(۱۰)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے تدریسی دور کو دیکھا جائے یعنی اسلامیہ کالج لاہور سے اوساکا یونیورسٹی جاپان تک اور ادب کے مقامی طالب علم سے لے کر بین الاقوامی حیثیت تک ہر جگہ آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ "جدید اردو شاعری میں علامت نگاری" آپ کا ایم۔ اے کا مقالہ جو تحقیقی و تنقیدی نوعیت کا ہے اپنے دور کا بہترین تحقیقی مقالہ ہے"(مصحفی فن اور شخصیت" آپ کا پی ایچ ڈی کا مقالہ آپ کے تحقیقی شعور، وسیع مطالعے اور محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ دونوں مقالات اپنے دور کے بہترین مقالات میں شمار کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں مقالات ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر عبادت بریلوی جیسی اکابر شخصیات کی زیر نگرانی سر انجام پائے۔ اس لیے ان میں انداز تحقیق پر انا ہے۔ ان کڑے اصولوں کو ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے اپنی کتاب ادبی تحقیق کے اصول میں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اور یہ اردو تحقیق کے نظری اور عملی مباحث پر منفرد کتاب ہے۔ مصنف کا گہرا مطالعہ اس بات کا غماز ہے کہ اردو کی ادبی تحقیق کو باقاعدہ دستاویزی اور تاریخی تحقیق کے اعلیٰ معیار پر لانا چاہیے تاکہ مفروضے سے نظریے اور وژن تک تمام مراحل جدید علمی تحقیق اور منطقی تقاضے پورے کرے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری کی مرتبہ کتابیں تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ، آب حیات از محمد حسین آزاد اور نظم آزاد اگرچہ طلباء کی ضرورت کے تحت مدون کی گئیں اور "آبِ حیات" میں اگرچہ کئی کمزوریاں تحقیق کے حوالے سے رہ گئی ہیں مگر ادب میں یہ اہم اور مفید کام ہے۔ان کی دیگر نمایاں کتب میں نقدِ سرشار، اقبال اور نئی ثقافت، شعریاتِ اقبال، شاگردان مصحفی، نظم آزاد، ادبی تحقیق کے اصول، اردو ادب کی تاریخ، اردو کے نامور محقق، آبِ حیات، جاپان میں اردو، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، عملی تحقیق، فسانہ آزاد (تجزیہ)، گلزارِ نسیم تنقیدی مطالعہ، لا=راشد، نمودِ حرف شامل ہیں۔

ڈاکٹر تبسم کاشمیری عمدہ شاعر بھی ہیں ان کے شعری مجموعوں میں تمثال، نوحے تخت لہور کے، پرندے، پھول، تالاب، بازگشتوں کے پل پر، کاسنی بارش میں دھوپ شامل ہیں۔ ترجمے کی ذیل میں آپ

نے ہسپانوی شعرا کے کلام کے تراجم کیے۔ہیروشیما کی نظموں کے تراجم ک ساتھ ساتھ جاپانی شعرا پر بھی کام کیا۔"قصبہ کہانی" کے نام سے ایک ناول بھی آپ نے لکھا۔

ڈاکٹر عبید اللہ خان(۱۹۲۳۔۲۰۰۶ء) اُردو زبان و ادبیات کے نامور، استاد، مترجم، لغت نویس، مضمون نگار اور ادیب تھے۔آپ ۲۸ مارچ ۱۹۶۸ء بطور لیکچرار اورینٹل کالج میں منتخب ہوئے۔ آپ نے پریم چند کے حوالے سے زیادہ تر تحقیقی و تنقیدی کام کیا ہے،علاوہ دیگر کلاسیکی ادبی کی تصانیف کو مرتب بھی کیا ہے، تحقیقی و تنقیدی تحریروں میں ان کا اسلوب سادہ اور شستہ ہے۔ ان کی تحریریں ان کے گہرے تنقیدی و تحقیقی شعور کی غماز ہیں۔علم کی ترسیل ،مشرقی اقدار کی پاسداری، مدلل انداز،دلائل و براہین سے اپنی بات قاری تک پہنچانا، قدیم و جدید ادب کا مطالعہ اور ادب کے مطالعے کے لیے دیگر زبانوں سے واقفیت ان کی تحقیق و تنقید کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ان کی نمایاں کتب مقالاتِ یوم شبلی (ترتیب)، لغات نظامی،فسانہ عجائب (ترتیب)،مضامین پطرس،پریم چند کے منتخب افسانے،بچوں کا لغات نر دبان اردو(حصہ اول)،کلاسیکی و جدید شعر و ادب اکبر و حالی، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند،کلاسیکی شعر و ادب،مقدمہ سرکار وفا"العطش" شامل ہیں۔ترجمے کے حوالے سے ان کی کتاب"سکول کا صحتی دستور العمل" ہے۔ڈاکٹر آغا سہیل نے ان کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

> "ان کی ہمہ جہت شخصیت نے اردو ادب کی خدمت میں جو خاموش کارنامے انجام دیے ہیں ان کا اعتراف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو ان سے مستفیض ہوتے رہے ہیں اگر تخلیق اچھی تنقید کی محتاج ہے تو تنقید صحت مند تحقیق اور تدقیق کی منت پذیر ہے۔وہ ایک اچھے مدرس ہی نہیں ادب کے سچے خادم بھی ہیں۔"(۱۱)

ڈاکٹر سہیل احمد خان(۱۹۴۸۔۲۰۰۹ء) اورینٹل کالج لاہور میں ۲۹ اپریل ۱۹۶۹ میں لیکچرر مقرر ہوئے۔تنقیدی میدان میں آپ نے اصناف شعر و نثر کو نئے نئے زاویوں سے نوازا۔ادبی حلقوں سے وابستہ دوسرے ناقدین نے بھی ڈاکٹر سہیل احمد خان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے سہیل احمد خان کی ادبی جہات کے نمایاں موضوعات علامت،داستان،افسانہ اور مغربی ادب ہیں۔ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ اردو داستانوں کی علامتی مطالعے پر مبنی ہے۔ڈاکٹر سہیل احمد خان فن پارے کے نفسیاتی پہلو پر زیادہ ذور دیتے ہیں۔ڈاکٹر سہیل احمد کی بہت سی ادبی تحقیقی و تنقیدی کتب منظر عام پہ آچکی ہیں اور درجہ مقبولیت کا شرف حاصل کر چکی ہیں۔حسن عسکری(۱۹۱۹ء-۱۹۷۸ء) پہ ان کا کام قابل تحسین ہے۔سہیل احمد کی تحقیق کے خصائص کو پرکھا جائے تو سب سے پہلے ان کی یہ خاصیت سامنے آتی ہے کہ جب ڈاکٹر صاحب کسی موضوع پر تحقیق کرتے ہیں تو موضوع کے انتخاب سے لے کر مواد کی فراہمی، اس کی چھان پھٹک اور اس

کی ترتیب و تنظیم میں بے حد محتاط اور کڑا رویہ اختیار کرتے تھے۔ تحقیقی مقالے کے ایک ایک لفظ پر نظر رکھتے تھے جہاں کہیں بھی ذرا سا بھی سقم نظر آتا جب تک اسے درست نہ کر لیتے آگے نہ بڑھتے۔ اپنے طلباء و طالبات کو یہی نصیحت کرتے کہ خود معاملے کی تہہ تک پہنچیں، خود کھوج کرتے رہیں اور صداقت اور سچائی سے سراغ لگائیں۔ کلاسیکی، مقامی اور عالمی ادب ہو یا جدید ادبی و فکری تحریکوں اور شخصیتوں کے زیر اثر ہونے والے تازہ ترین رجحانات وہ ان پر بے تکان بولنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک وسیع المطالعہ نقاد اور دانشور تھے۔ ان کا وہ حصہ جو عسکری اور انتظار حسین کی صحبت سے آزاد ہے اس میں ان کی بہتر تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔ سہیل احمد خان نے زندگی، انسان اور کائنات کو اپنی تنقید اور شاعری میں ہم آہنگ اکائیوں کے بطور دیکھتے ہوئے اپنے رمزی اور استعاراتی ویژن کی سرحدیں متعین کی ہیں ۔ڈاکٹر سہیل احمد خان کی تحقیق کا نمایاں پہلو ان کا وسیع مطالعہ اور ان گنت تحقیقی و تنقیدی مواد تک رسائی بھی ہے جو انھوں نے محنت و لگن سے حاصل کیا تھا۔ آپ کی نمایاں کتب، افسانوی ادب، تعبیریں، داستانوں کی علامتی کائنات، ژنگ کے نفسیاتی نظریات، سیر بین، طرزین، طرفیں، علامتوں کے سرچشمے، مجموعہ سہیل احمد خان، مضامین و مکالمات ڈاکٹر سہیل احمد خان، مقالاتِ حلقہ اربابِ ذوق، منتخب ادبی اصطلاحات۔ ڈاکٹر سہیل کے دو شعری مجموعے ایک موسم کے پرندے، اور راہ کی نشانیاں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

سجاد باقر رضوی (۱۹۲۸۔ ۱۹۹۲ء) استاد، محقق، نقاد، شاعر تھے ان کا نام قیام پاکستان کے بعد کے اہم ناقدین اور محققین میں ایک اہمیت کا حامل ہے۔ ۱۹۷۳ میں آپ کا تقرر شعبہ اردو اورینٹل کالج میں ہوا۔ تنقید میں خاص نقطہ نظر کی بدولت انھیں پاکستان بننے کے بعد کے نقادوں میں منفرد مقام حاصل ہوا۔ بطور انگریزی کے استاد اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا بعدازاں اورینٹل کالج لاہور میں اردو کے طلباء کو انگریزی تنقید پڑھانا شروع کی ان کی دلچسپی انگریزی تنقید سے تھی جس کا انہوں نے وسیع مطالعہ کیا ہے مگر اس وسیع مطالعے میں انہوں نے اسے من و عن قبول نہیں کیا۔ تحقیق کے حوالے سے ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "طنز و مزاح کے نظریاتی مباحث اور کلاسیکی اردو شاعری (۱۸۵۷ تک)" اور دیگر کتب، غالب—ذاتی تاثرات کے آئینے میں (مرتب)، قائد اعظم محمد علی جناح معمارِ پاکستان اور مرقع ادب تہذیب و تخلیق، شامل ہیں۔ تنقید میں وہ حسن عسکری کہ مکتبِ فکر سے متاثر ہیں۔ تنقید کے حوالے سے ان کی کتاب "تہذیب و تخلیق "اساسی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری اہم تصانیف میں مغرب کے تنقیدی اصول، باتیں، وضاحتیں ،علامہ اقبال اور عرض حال ان کے تنقیدی شعور کی غماز ہیں۔ ان تصانیف میں ان کا تنقیدی شعور واضح ہے۔ شاعری کے حوالے سے ان کا مجموعہ کلام

تیشہ لفظ اور جوئے معانی ہے۔ترجمہ نگاری کے حوالے سے بھی سجاد باقر رضوی نے منفرد موضوعات کی حامل کتابوں کے تراجم کیے۔بدلتی دنیا کے تقاضے، جدید دنیا میں روایتی اسلام، بلال، افتادگانِ خاک، داستانِ مغلیہ، جدید ناول نگار۔۔۔امریکا میں۔ان کی اہم ترجمہ کی ہوئیں کتب ہیں۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (۱۹۴۲ء-۲۰۲۴ء) برصغیر پاک وہند میں تحقیق وادب اور علم و آگہی کی روشنی پھیلانے والے ہشت پہلو شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ ۹ ستمبر ۱۹۸۲ میں بطور لیکچرر شعبہ اردو اورینٹل کالج سے منسلک ہوئے۔ آپ کثیر التعداد مصنف ہیں۔ان کا سب سے معتبر حوالہ ماہر اقبالیات ہے۔وہ بیک وقت محقق، مدون، نقاد، مدیر، سفر نامہ نگار، معلم، کالم نگار، ماہر تعلیم، مفکر اور اسلامی اقدار کے داعی ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی یہ ایک ادبی گھرانہ تھا۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی ادبی زندگی کا آغاز تخلیقی اصناف سے ہوا۔ شاعری، انشائیہ نگاری اور افسانہ نگاری ان کے تخلیقی اظہارات کی جولان گاہ بنے۔اور وہ ایک عرصے تک انہیں اصناف کے مدار میں گردش کناں رہے۔ لیکن جب وہ راہ تحقیق پر جادہ پیما ہوئے تو پھر یہ اصناف ادب کہیں طاقِ نسیاں پر دھری رہ گئیں۔اور وہ تحقیق کے راستے پر آگے سے آگے بڑھتے چلے گئے۔اقبالیات کا میدان تحقیق ان کی پہچان بنا اور شناخت بھی۔انہوں نے اقبال اور اقبالیات کے باب میں تحقیق، بازیافت اور تدوین کے کتنے ہی در وا کیے۔اور کتنے ہی آفاق ان کی فکری اور تحقیقی نادرہ کاری سے جگمگا اٹھے۔اقبالیات کے ساتھ ساتھ وہ دیگر تحقیقی کاموں میں بھی مگن رہے اور سر مست بھی۔انہوں نے جو کچھ لکھا وہ مقدار اور معیار ہر دو حوالوں سے وقار اور افتخار کا باعث بن گیا۔یوں تو ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے تحقیق و تنقید دونوں میدانوں میں شاہ سواری کی مگر تحقیق میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کے آگے باقی تمام جہات علمی دب جاتی ہیں۔بقول ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر:

> "ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی ادبی زندگی کا آغاز تخلیقی اصناف سے ہوا۔ شاعری، انشائیہ نگاری اور افسانہ نگاری ان کے تخلیقی اظہارات کی جولان گاہ بنے۔اور وہ ایک عرصے تک انہیں اصناف کے مدار میں گردش کناں رہے۔ لیکن جب وہ راہ تحقیق پر جادہ پیما ہوئے تو پھر یہ اصناف ادب کہیں طاقِ نسیاں پر دھری رہ گئیں۔اور وہ تحقیق کے راستے پر آگے سے آگے بڑھتے چلے گئے۔اقبالیات کا میدان تحقیق ان کی پہچان بنا اور شناخت بھی۔انہوں نے اقبال اور اقبالیات کے باب میں تحقیق، بازیافت اور تدوین کے کتنے ہی در وا کیے۔ اور کتنے ہی آفاق ان کی فکری اور تحقیقی نادرہ کاری سے جگمگا اٹھے۔اقبالیات کے ساتھ ساتھ وہ دیگر تحقیقی کاموں میں بھی مگن رہے اور سر مست بھی۔انہوں نے جو کچھ لکھا وہ مقدار اور معیار ہر دو حوالوں سے وقار اور افتخار کا باعث بن گیا۔"(۱۲)

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق کا آغاز ان کی کتاب " تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ " سے ہوتا ہے۔ یہ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا۔ یہ مقالہ تحقیقِ اقبالیات میں اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیقی جہات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی بنیاد پر ان کا شمار گنتی کے ان چند محققین میں ہوتا ہے جو تحقیقی کام میں دلائل و شواہد کو اولیت دیتے ہیں۔ تحقیق کا اعلیٰ معیار، آہستہ روی، مستقل مزاجی، مسلسل محنت، توازن یہ تمام چیزیں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تحقیق صرف اعداد و شمار پر مبنی نہیں بلکہ اس اعتبار سے بڑے بڑے قد آور ادبا کو حقائق کے پیش نظر تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ پاکستان میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا نام صیغہ اقبالیات میں بلاشبہ ایک بڑا اور مستند نام ہے۔ ان کی خدمات اقبالیات کی تحقیق میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ان کی دیگر نمایاں کتب میں چاند کا سلام، اقبال کی طویل نظمیں، سرور اور فسانہ عجائب، اصناف ادب، کتب اقبالیات، خطوط مودودی، تفہیم و تجزیہ وغیرہ۔

تحقیق میں خطوط کو بنیادی ذرائع معلومات سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مکاتیب ان کی باطنی اور ظاہری شخصیت، ان کی دلچسپی، نفسیاتی کیفیت اور ان کے نظریات کا وسیلہ ہیں۔ انہوں نے اپنے احباب، شاگردوں اور مشاہیر کو خطوط لکھے مثلاً مکاتیب مشفق خواجہ بنام رفیع الدین ہاشمی، مکاتب رشید حسن خان بنام رفیع الدین ہاشمی، مکاتیب ابن فرید بنام رفیع الدین ہاشمی، اقبالیاتی مکاتیب بنام رفیع الدین ہاشمی، مکاتب آرزو: مختار الدین آرزو بنام رفیع الدین ہاشمی، گیانامے، مکاتیب گیان چند بنام رفیع الدین ہاشمی۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے سفر نامی بھی لکھے ہیں اس حوالے سے "پوشیدہ تیری خاک میں" اور "سورج کو ذرا دیکھ" شامل ہیں۔ ان اسفار میں انہوں نے اپنے اندرون ملک و بیرون ملک اسفار کا حال بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری (۱۹۵۹ء) کی ۱۷ نومبر ۱۹۸۴ء مین تعیناتی اورینٹل کالج میں ہوئی۔ آپ کا نام تنقیدِ راشد میں اہم مقام رکھتاہے۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری اورئینٹل کالج کی تحقیقی و تنقیدی روایت سے تعلق رکھنے والے ادب کے شناور، محقق، نقاد، خصوصاً نقادِ راشد، استاد، مرتب، مدون کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی تحقیق و تنقید کا بڑا موضوع مطالعہ، تفہیم راشد ہے۔ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ "ن م راشد- تحقیقی و تنقیدی مطالعہ " تحقیق و تنقید کا حسین امتزاج ہے۔ اس مقالہ کے ذریعے انہوں نے راشد کی ذاتی زندگی، شاعری، ان پر لگنے والے الزامات اور اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے۔ راشد کے حوالے سے جو کام ڈاکٹر فخر الحق نوری نے کیا اس میں میرے بھی ہیں کچھ خواب (بیاضِ راشد، بخط راشد) جدید فارسی شاعری (ن م راشد کے غیر مدون اردو ترجمہ) ن م راشد (راشد صدی مقالات) مطالعہ راشد، چند نئے زاویے، ن م راشد کی نظموں کے انگریزی تراجم، بیاد راشد، مکاتیب بنام راشد شامل ہیں۔ راشد کے حوالے

سے ان کا کام تحقیقی تنقیدی اور تدوینی نوعیت کا ہے۔ ان کتب میں مطالعہ راشد کی تمام جہات موجود ہیں۔ راشد کی سوانح ،مذہبی نظریات، شاعری، تصانیف، مقالات ،خطوط یہ کام مطالعہ و تفہیم راشد (۱۹۱۰۔۱۹۷۵ء) میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اورینٹل کالج کی تدوین کا آغاز حافظ محمود شیرانی سے ہوا تھا اسے آگے بڑھانے اور تدوین کو سائنس کا درجہ دلانے میں جدید دور کے مرتبین کا اہم کردار ہے۔ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری اسی جدید روایت کے علمبردار ہیں۔

تنقیدِ راشد کے علاوہ ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری کی ادبی کاوشوں میں نثری نظم ،توضیحات، مطالعات، تعبیرات ،بیادِ میر ،منتخب ادبی اصطلاحات،ترتیب کے حوالے سے خواجہ معین الدین اور تعلیمِ بالغاں، انتخابِ نظم و نثر (جلد اول و دوم)،وضاحتیں وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تنقیدی و تحقیقی کتب کئی موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان موضوعات میں غالب (۱۷۹۷۔۱۸۶۹ء)، اقبال، فیض (۱۹۱۱۔ ۱۹۸۴ء)، مجید امجد جیسے شعراء کے کلام پر محاکمہ بھی ہے۔ اصناف پر بھی مضامین ہیں۔ علاوہ ازیں مشہور و معروف شخصیات کے علاوہ غیر معروف شخصیات کی کتابوں پر بھی تنقیدی آراء کا اظہار کیا ہے۔ یہ تمام تحریریں ان کی ہم عصر تنقید میں مستقل اور عمدہ اضافہ کی حیثیت سے شامل ہیں۔ ان تصانیف کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ژرف نگاہی، نکتہ دری، بکھرے ہوئے مواد کو سلیقے سے سمیٹنے کا ہنر بھی ان کی شخصیت میں شامل ہے۔

ڈاکٹر تحسین فراقی (۱۹۵۶ء) ستر کی دہائی میں ابھرنے والی ہشت پہلو شخصیت ہیں۔ ۲۴ نومبر ۱۹۸۴ میں آپ اورینٹل کالج میں لیکچرار منتخب ہوئے۔ آپ بیک وقت استاد ، محقق،اعلیٰ نقاد،اور تجزیہ کار ہیں۔ اقبال شناس ،غالب شناس، محب وطن اور سچے مسلمان بھی ہیں ۔ اگرچہ شاعری بھی کی جو ان کی نثر سے زیادہ پر تاثیر ہے مگر ان کی تحقیقی و تنقیدی جہتیں زیادہ نمایاں ہیں۔ ان دونوں میدانوں میں انہوں نے اپنے تخلیقی جوہر دکھائے ہیں۔ تحقیق کے حوالے سے ان کا مقالہ "عبد الماجد دریابادی۔ احوال و آثار" اُن کی چھ سال کی مسلسل محنت اور تحقیق کا ثمر ہے۔ڈاکٹر فراقی نے جس طرح عبد الماجد دریا بادی (۱۸۹۲۔۱۹۷۷ء) کی جامع الحیثیت شخصیت کو بے لاگ اور غیر جانبدارانہ انداز سے دیکھا ہے اور ان کی صحافتی، تحقیقی، فلسفیانہ، نفسیاتی، ڈرامائی، سوانحی، شعری اور ترجمہ کردہ تحریروں کا محاکمہ کیا ہے خاصے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے جو نظری مباحث کے لیے معیارات مقرر کیے ہیں وہ معیارات دوسرے ناقدین کے لیے نہیں بلکہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر تحسین فراقی:

> "میری تحریروں کا غالب حصہ تنقید اور تحقیق پر مشتمل ہے۔ تنقید میں میرا محرک دراصل کسی دانشور کا یہ قول رہا ہے کہ تنقید کسی شخص کو جھوٹ بولنے سے تو نہیں روک سکتی ہاں یہ کوشش ضرور کرتی ہے کہ جھوٹ سچ کی جگہ خود کو مستحکم نہ کرے۔ میری تنقید میں آپ کو

کسی کے طعن وسزا کے خوف کے بغیر بے باکی اور صاف گوئی کی جھلکیاں جابجا ملیں گی۔ سنی سنائی اور پڑھی پڑھائی باتوں کی بجائے خود شعری ونثری متون میں ڈوب کر نتائج اخذ کرتا ہوں۔ اور انہیں اعتماد کے ساتھ پیش کر دیتا ہوں۔ تحقیق میں بھی میرا طریقہ کار ایسا ہی ہے۔"(۱۳)

مطالعہ بیدل فکر برگساں کی روشنی میں اقبال کا غیر مطبوعہ مضمون کی کھوج لگا کر اسے فنِ ترتیب سے پیش کرنا بھی کسی تحقیقی کارنامے سے کم نہیں۔ دیوانِ غالب نسخہ حمیدیہ اصل حقائق ایک اہم تحقیقی کارنامہ ہے۔ ان کی نمایاں ادبی کتب میں جستجو، کربلا سے کابل تک، مطالعہ بیدل: فکر، برگساں کی روشنی میں، نقد اقبال، جہاتِ اقبال، دیوانِ غالب (نسخہ خواجہ)، ارمغانِ علمی (ترتیب)، ارمغانِ ڈاکٹر سید عبداللہ، افادات، سلطانِ ما محمد ﷺ، شوقِ آخرت، فکریات، نقشِ اول (شعری مجموعہ)، یاد نامہ داؤدی وغیرہ ہیں۔ ڈاکٹر تحسین فراقی نے شاعری بھی کی ان کے شعری مجموعوں میں نقشِ اول، شاخِ زریاب شامل ہیں۔ ترجمہ نگاری کے حوالے سے حسن کوزہ گر، فکریات، بے زبانوں کی زبانی: حکمت بھری کہانیاں اہم تراجم ہیں۔

مرغوب حسین طاہر (۱۹۵۶ء) ایک بہترین استاد اور شاعر ہیں۔ آپ ۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء اورینٹل شعبہ اردو میں لیکچرار منتخب ہوئے۔ آپ نے ۲۰۱۴ میں "ڈاکٹر سہیل بخاری کی لسانی خدمات" مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ مختلف رسائل و جرائد میں لکھنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایک بہترین شاعر بھی ہیں۔ ان کے کچھ اشعار یوں ہیں:

" تتلیوں کے موسم میں نوچنا گلابوں کا ، ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
دیکھ کر پرندوں کو باندھنا نشانوں کا ، ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
تم ابھی نئے ہو ناں! اس لیے پریشاں ہو ، آسمان کی جانب اس طرح سے مت دیکھو
آفتیں جب آنی ہوں، ٹوٹنا ستاروں کا، ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے"(۱۴)

ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر (۱۹۵۳ء) شعبہ اردو اورینٹل کالج سے ۲۰ فروری ۱۹۹۴ء میں لیکچرار کے طور پر تقرر ہوا۔ آپ کا زیادہ تر کام افسانہ اور افسانہ نگاروں کے فکروفن پر مبنی ہے۔ ان کی افسانوی تحقیق و تنقید کے حوالے سے اہم نام پریم چند (۱۸۸۰ء-۱۹۳۶ء)، منٹو (۱۹۱۲-۱۹۵۵ء)، انتظار حسین (۱۹۲۵-۲۰۱۶ء)، غلام عباس (۱۹۰۹-۱۹۸۲ء)، سجاد حیدر یلدرم (۱۸۸۰-۱۹۴۳ء) ہیں۔ ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر نے نہ صرف ان افسانہ نگاروں کے حالاتِ زندگی، تصانیف، ان کے عہد کے سیاسی و سماجی حالات کا جائزہ لیا ہے۔ بلکہ ان افسانہ نگاروں کے منتخب افسانوں کا بھی تحقیقی و تنقیدی جائزہ افسانے کے جملہ لوازم کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے ان افسانوں اور افسانہ نگاروں کا ادب میں مقام و مرتبہ متعین کیا ہے۔ تدوین کے حوالے سے ان کا نمایاں کارنامہ "کلیاتِ ناسخ" کی تدوین ہے۔ جس میں انھوں نے محنت و

لگن سے کام کرتے ہوئے تدوین کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کلیات کی تدوین کا کام کیا ہے۔ پریم چند: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، سعادت حسن منٹو: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، غلام عباس: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، انتظار حسین: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ، سجاد حیدر یلدرم: تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ان کی نمایاں تحقیقی و تنقیدی کتب ہیں۔ دیگر کتب میں طاؤس ورباب (جلد اول-دوم) مصوری پر منتخب مضامین شامل ہیں۔

ڈاکٹر محمد کامران (۱۹۶۸ء) کثیر الجہات شخصیت کے مالک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نا صرف اچھے استاد ہیں بلکہ ادب میں بھی بطورِ نقاد، محقق، شاعر، مبصر، سفر نامہ نگار کے جانے جاتے ہیں۔ آپ کا تقرر شعبہ اردو اوینٹل کالج میں ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ میں بطور لیکچرر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے تحقیق و تنقید کی راہ میں نئی نئی راہیں متعین کیں۔ علم و ادب کی آبیاری میں بھی کوشاں ہیں۔ ڈاکٹر محمد کامران کی تحقیقی جہات کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے جس موضوع پر تحقیقی کام کیا ان میں ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی کے مقالات شامل ہیں۔ ڈاکٹر محمد کامران ترقی پسند تحریک سے متاثر تھے۔ پروفیسر احمد علی (۱۹۱۰ء-۱۹۹۴ء) بھی ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ آپ نے پروفیسر احمد علی کی کتابیں پڑھیں اور ان سے متاثر ہوئے پر ڈاکٹر محمد کامران اردو ادب کی خدمت میں سرگرم عمل ہیں۔ انہوں نے نہ صرف قومی سطح بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی ادب کے فروغ کے لیے خدمات سرانجام دیں۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز و ارتقا اس کے عروج و زوال اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے معروضی تجزیہ کیا ہے۔ اپنی تحقیق میں ڈاکٹر کامران نے نا صرف مشرقی بلکہ مغربی ناقدین و محققین کی آرا کو بھی درج کیا ہے ان آرا سے ان کا اسلوب مدلل بن گیا ہے۔ آنکھ بند کر کے ان آرا پر ڈاکٹر کامران یقین نہین رکھتے بلکہ دلائل سے اور ان کی روشنی میں اپنے اخذ کردہ نتائج پیش کرتے ہیں۔ بقول فریحہ باجوہ:

> "ڈاکٹر محمد کامران کے مقالہ جات ثابت کرتے ہیں کہ ان کی ذات میں ایک اچھے محقق کی وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے تلاش اور جستجو کا عمل جاری رہ سکتا ہے۔ تحقیق کے لیے محقق کا مستقل مزاج، کھوج لگانے والا، گہرے مطالعے کا حامل اور عصری تقاضوں سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اور یہ تمام خوبیاں ڈاکٹر محمد کامران میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مختلف موضوعات سے متعلق حقائق تلاش کر کے انہیں منظرِ عام پر لانا ایک اچھے محقق ہی کے ساتھ مختص ہے۔" (۱۵)

ڈاکٹر کامران نے تحقیق و تنقید کرتے ہوئے سادہ اسلوب اختیار کیا ہے۔ کہیں رنگین اسلوب بھی موضوع کے مطابق نظر آتا ہے۔ انگریزی الفاظ کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ مشکل لفظوں اور غیر ضروری تفصیلات سے تحریر کو بوجھل نہیں بنایا۔ شخصیات کے ذکر میں ان کے فکر و فن کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیا

ہے۔ اُردو زبان و ادب کی ترویج کے لیے ان کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ پروفیسر احمد علی: حیات اور ادبی خدمات، اردو زبان و ادب کی مختصر تاریخ، میر امن سے انتظار حسین تک، انگارے: تحقیق و تنقید، کلاسیکی اردو شاعری آن لائن تنقید اور تراجم، محمد اقبال اور محمد عاکف (۱۸۷۳ء-۱۹۳۶ء) ان کی نمایاں تحقیقی و تنقیدی تصانیف ہیں۔ ڈاکٹر محمد کامران نے سفر نامہ "گ سے گڑیاج سے جاپانی" بھی تحریر کیا ہے۔ اس سفر نامے میں انھوں نے ترقی یافتہ معاشرت کی خصوصیات بتائی ہیں علاوہ ازیں جاپان کے لوگوں کا رہن سہن، عادات، اطوار، نظم و ضبط کو بھی احاطہ قلم میں لائے ہیں۔ آپ اچھے شاعر بھی ہیں خوبصورت نظمیں اور غزلیں مشاعروں میں سناتے بھی ہیں۔ آپ کا کلام امید سے پر ہے۔

ڈاکٹر زاہد منیر عامر (۱۹۶۶ء) اُردو کے مشہور محقق، نقاد، ادیب، شاعر، سفر نامہ نگار اور معلم دبستانِ لاہور پاکستان کے علمی و ادبی حلقوں میں نمایاں مرتبہ رکھتے ہیں۔ ایشیا کے سب سے بڑی درسگاہ جامعہ پنجاب میں تدریسی فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ ڈاکٹر زاہد نے وسیع موضوعات پر قلم فرسائی کی ہے اور ان کی تصنیف ان کی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ڈاکٹر زاہد منیر اب تک چالیس سے زائد کتب لکھ چکے ہیں ان کی کتابیں ملک اور بیرون ملک اُردو عربی اور انگریزی زبان میں شائع ہو چکی ہیں۔ ریڈیو پاکستان اور ٹی وی پر بھی ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر نے دور طالب علمی میں ہی ادب کی خدمت کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اول شاعری کی۔ شاعرانہ خیالات کی وسعت کی بنا پر اردو ادب کے وسیع میدانوں سے واقف ہوئے۔ ڈاکٹر زاہد کی پہلی جہت محقق کی ہے۔ آپ ۲۶ جنوری ۱۹۹۵ء میں اورینٹل کالج شعبہ اردو میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم ان کے بارے میں اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:

> "وطن عزیز کی ادبی تاریخ میں پروفیسر ڈاکٹر زاہد منیر عامر فعال ترین نوجوان ہیں جنہوں نے علم و ادب کی دنیا میں زندہ رہنے والے کارنامے انجام دیے اور نسل نو کو متاثر کیا ہے انہوں نے قلیل مدت میں ادبی دنیا کا طویل سفر طے کیا اپنی تخلیقی صلاحیتوں، حسنِ اخلاق کی نعمتوں اور اللہ کریم کی خصوصی عنائیتوں سے انہوں نے عالمی سطح پر اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کیا۔ سرگودھا کی سرزمین ادبی اعتبار سے بہت زرخیز ہے۔ عصر حاضر میں زاہد منیر عامر ایسے سپوت سرگودھا ہیں جن کی خداداد صلاحیتوں پر پاکستان کی ادبی دنیا فخر کرتی ہے۔ ان کی تحقیقی و تخلیقی صلاحیتوں کا سلسلہ جاری ہے "(۱۶)

ان کی دیگر کتب میں اقبال تاریخ ولادت، مکاتیب، ظفر علی خان، چلچراغ، روشناس، خطوط و خیوط، ظفر علی خان، جامعہ پنجاب، چار موسم ایچی سن کالج میں، کلیات میر سوز، ارمغان خورشید، ان کی تحقیقی خدمات کے ادراک کے لیے کافی ہیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی تنقید متنوع موضوعات کا احاطہ کرتی ہے اس میں شخصیات، اقبالیات، کلاسکی، ادب، شاعری، نثر، ادب سے متعلقہ موضوعات اُردو کی تاریخ، اور شخصیات

کے فکر و فن شامل ہیں۔ کہیں ان کی تنقید تاثراتی انداز اختیار کرتی ہے کہیں تجزیاتی اور کہیں تشریحی۔ ان کی تحقیق تنقید سے الگ نہیں۔ ڈاکٹر زاہد منیر عامر بطور سفر نامہ نگار بھی ادب میں جانے جاتے ہیں۔ ان کے سفر نامے، جزیرے کا خواب، شام کی صبح، لبنان کی شام، دیارِ شمس، فی حبِ مصر، سقراط کا دیس، مصر: خواب اور تعبیر، کشورِ اطالیہ کی بہار ہیں۔

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین(۱۹۷۱ء) ۱۶، اپریل ۲۰۰۱ء میں اورینٹل کالج شعبہ اردو میں لیکچرار مقرر ہوئیں۔ آپ معلمہ، نقاد، محقق، مرتب، مدون، مترجم اور ماہرِ اقبالیات ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ اورئینٹل کالج سے تعلق رکھنے والی پہلی خاتون استاد ہیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کے ادبی سفر کا آغاز اقبالیات سے ہوا۔ آپ نے اقبال کے فن کے ان گوشوں پر تحقیق و تنقید کی ہے جن پر بہت کم یا بالکل کام نہیں ہوا۔ اقبالیات کے حوالے سے ڈاکٹر بصیرہ عنبرین صاحبہ کی چار کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ جو بالترتیب، تضمیناتِ اقبال، مقائسہ ارمغانِ حجاز فارسی اور محسناتِ شعر اقبال اور اقبال: وجودِ زن اور تصویرِ کائنات شامل ہیں، مقائسہ ارمغانِ حجاز تدوین و تقابل کی عمدہ مثال ہے۔ باقی دو کتابیں فنِ تضمین اور اقبال کے کلام کے فنی محاسن کا احاطہ کرتی ہیں۔ اقبالیات کی طرح ڈاکٹر صاحبہ کی تحقیق کا اہم موضوع غالبیات ہے۔ اقبال: وجودِ زن اور تصویرِ کائنات میں اقبال کے عورت کے متعلق خیالات اور معاشرے میں اس کے کردار کے حوالے سے ہے، غالب کے فکر و فن اور فنی محاسن کے حوالے سے آپ کی اہم تصنیف "گنجینہ غالب" ہے۔ اس تصنیف میں آپ نے غالب کی اردو اور فارسی شاعری کی تراکیب پر پہلی مرتبہ کام کیا ہے غالب شناسی کے حوالے سے یہ کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔ تیسری اہم جہت ڈاکٹر صاحبہ کی تدوین ہے، بیتال پچیسی اور سنگھاسن بتیسی کی تدوین، تسہیل، اور تفہیم ڈاکٹر صاحبہ کا اہم کارنامہ ہے۔ ان کتابوں کی تسہیل، تفہیم اور تدوین میں ڈاکٹر صاحبہ کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر انھوں نے ہندی زبان و تہذیب و ثقافت اور دیومالا سے آگہی کے باعث اور عرق ریزی اور مشقت سے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا، اور اس قدیم ادبی داستانوں کا نئی زندگی عطا کی۔ ترجمہ نگاری کے حوالے سے ان کی ترجمہ کردہ کتب زیبِ داستان (ایرانی افسانوں کے اردو تراجم)، نیپالی کہانیاں (ہندی سے ترجمہ) شامل ہیں۔

ڈاکٹر عارفہ شہزاد (۱۹۷۱ء) کا نام ادبی منظر نامے میں بطور شاعرہ، محقق، نقاد، ناول نگار اور استاد کے جانا جاتا ہے۔ شاعری میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اپنا ایک منفرد مقام بنا چکی ہیں۔ ارفہ شہزاد صاحبہ ۱۶ اپریل ۲۰۰۱ میں شعبہ اردو اورینٹل کالج سے بطور لیکچرار منسلک ہوئیں۔ تحقیق و تنقید میں بھی ان کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ تحقیق و تنقید کے حوالے سے ان کا ایم اے کا مقالہ "جدید اُردو شاعری میں کرداری نظمیں" اور پی ایچ ڈی کا مقالہ "انگریزی میں اُردو ادب کی تنقید" نمایاں مثالیں ہیں۔ غلام حسین ساجد ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ تنقید بصیرت کے لحاظ سے میں خواتین میں صرف عارفہ شہزاد اور حمیرہ

اشفاق سے متاثر ہوں کہ وہ ہر جہت سے فن پارے کو پرکھنے پر قادر ہیں۔ شاعری کی تنقید ایک مشکل کام ہے کہ وہ کسی پر اپنے مکمل وجود کے ساتھ منکشف نہیں ہوتی۔ مگر عارفہ شہزاد اس سے معاملہ کرنے کا ہنر جانتی ہیں۔ اس لیے ہم عصر نظمیہ شاعری کی تفہیم کے لیے اس کا کام بہت اور توجہ سے پڑھے جانے کا متقاضی ہے۔

تحقیق و تنقید میں انھوں نے منفرد موضوعات کا انتخاب کیا ہے۔ مستند ماخذ تک رسائی، مستند حوالوں کا استعمال، موضوع سے متعلق صنف کی مبادیات، پس منظر و ارتقا کا جائزہ، اپنا ایک منفرد مؤقف اختیار کرنا اور اسے دلائل سے ثابت کرنا، دوسرے محققین و ناقدین کی آرا سے مستفید ہونا۔ ہر ماخذ کا حوالہ دینا، تحقیق میں تنقیدی رائے بھی دینا، سہل، رواں اسلوب اختیار کرنا یہ تمام جملہ اوصاف سے ڈاکٹر عارفہ شہزاد کی تصانیف متصف ہیں۔ ان کی دیگر تحقیقی و تنقیدی کتب انگریزی میں اردو ادب کی تاریخ، مجید امجد کی شاعری کے انگریزی تراجم، تین شاعر تین مباحث، زندہ جاوید: احمد جاوید شامل ہیں۔

شاعری کے حوالے سے ان کا پہلا مجموعہ کلام "عورت ہونا" تانیثیت کے جذبے اور احساس کے حسین پیرائیوں میں ڈھلتا نظر آتا ہے۔ دوسرا مجموعہ کلام "خود کلامی کا روزنامچہ" حال ہی میں شائع ہوا ہے۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

> "نظموں کا یہ مجموعہ جدید اردو نظم کے شعرا میں بالعموم اور شاعرات میں بالخصوص ایک ایسا شعری نقش تخلیق کرنے میں کامیاب ہوا ہے جس کی مثالیں ہمارے ہاں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ ان نظموں کا مجموعی پیرایہ کسی نہ کسی شکل میں تانیثیت کے جذبہ اور احساس کی نہایت لطیف، پر جمال اور پر کیف تمثالیں بناتا ہے۔ عارفہ کی نظموں میں عصری حساسیت کا آشوب بھی ملتا ہے اور انسانی رشتوں کی خوبصورت تمثالوں کا منظر نامہ بھی نظر آتا ہے۔"(۱۷)

ڈاکٹر عارفہ شہزاد پنجابی میں بھی شعر کہتی ہیں ان کے دو مجموعہ کلام پنجابی آکھیا نئیں سی اور چالھی چٹھیاں مشہور ہیں۔ آپ کا ایک ناول "میں تمثال ہوں" عورت کی نفسیاتی کیفیات کا عکاس ہے۔

ڈاکٹر محمد سلیم ملک (۱۹۵۰ء) اورینٹل کالج لاہور سے ۲۹ اگست ۲۰۰۲ء کو بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر منسلک ہوئے۔ ان کی نمایاں جہات تحقیق و تنقید ہے۔ امتیاز علی تاج کے حوالے سے ان کا کام نمایاں ہے امتیاز (تحقیق و تنقید)، سید امتیاز علی تاج کے یک بابی ڈرامے، سید امتیاز علی تاج: زندگی اور فن (تحقیق و تنقید) اس حوالے سے اہم کتب ہیں۔ بطور مرتب ان کی کتب اردو تحقیق پنجاب یونیورسٹی میں، بہارِ اردو برائے جماعت دہم (شریک مرتب) شامل ہیں۔ دیگر کتب میں تنقید و تحقیق کے حوالے سے تلاش (تحقیق و تنقید)، لبید بہاول پوری: شخصیت اور فن (تحقیق و تنقید) لکیریں (تحقیق و تنقید) اور ان کے انشائیے باتیں ہماری یادرہیں (اردو انشایے) جھلار (سرائیکی انشایے) شامل ہیں۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر (۱۹۶۵ء) کا نام جدید تھیوریز کے حوالے نمایاں مقام رکھتا ہے۔ آپ کا نام اُردو تنقید کے منظر نامے میں بہت کم عرصے میں اعتبار پیدا کر چکا ہے۔ مغربی تنقید سے عمومی دلچسپی اور نئے تنقیدی نظریات سے گہری وابستگی ان کی شناخت ہے۔ ناصر عباس نیر اپنی علمی تلاش اور تنقیدی تجسس کے سبب معاصر اور اُردو تنقید میں جو مقام حاصل کر چکے ہیں اس کی شناخت بھی متعین ہے اور اعتبار بھی قائم ہے۔ آپ اورینٹل کالج لاہور شعبہ اردو سے یکم مارچ ۲۰۰۵ء بطور لیکچرار منسلک ہوئے۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر کا شمار مغرب شناس نقادوں میں ہوتا ہے اُردو تنقید کی جدید تھیوریوں اور نظریات کی تنقید کے حوالے سے ان کا نام قابل تحسین ہے۔ بقول ڈاکٹر ستیہ پال آنند:

> "نیر صاحب ان گنے چنے چند نوجوان اہلِ نقد و نظر میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔ جو تنقید اور تحقیق دونوں میں یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ناصر عباس کی تنقید کی نمایاں جہت ان کا مغربی ادب کا مطالعہ ہے اور اسی مطالعے کے سبب وہ ادب کے سنجیدہ قاری کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے تنقید کے مختلف دبستانوں کو مغربی تنقید کے تناظر میں رکھ کے دیکھا ہے۔ نئے نئے موضوعات اور اصطلاحات اُردو ادب میں متعارف کروائی ہیں۔ ناصر عباس نیّر نے ہمیشہ اپنے مطالب کے اظہار اور خیالات کی ادائیگی سے غرض رکھی ہے۔ اختلافی امور پر لکھتے وقت بھی متانت کا دامن ان کے ہاتھوں سے کبھی نہیں چھوٹا اُردو کے علمی معاشرے میں انہوں نے اپنے مزاج کی سنجیدگی، اپنے سروکاروں کی معنویت اور اپنے مطالعات کی وسعت ورنگارنگی کے واسطے سے ایک نمایاں امتیاز قائم کر لیا ہے۔"(۱۸)

ان کی زیادہ تر کتب تنقید کے حوالے سے ہیں۔ جن میں ناصر عباس نیّر، دن ڈھل چکا تھا، جدیدیت سے پسِ جدیدیت تک، معمار ادب نظیر صدیقی، جدید اور مابعد جدید تنقید، مجید امجد شخصیت اور فن، لسانیات اور تنقید، ساختیات ایک مطالعہ (مرتب)، متن سیاق اور تناظر، مابعد نو آبادیات اردو کے تناظر میں، ثقافتی شناخت اور استعماری اجارہ داری، مجید امجد، عالمگیریت اور اردو اور دیگر مضامین حیات، شعریات، جمالیات، اردو ادب کی تشکیلِ جدید: نو آبادیاتی اور پسِ نو آبادیاتی مطالعات، اس کو ایک شخص سمجھنا تو مناسب ہی نہیں (میرا جی کی نظم اور نثر کا مطالعہ)، نظم کیسے پڑھیں، جدیدیت اور نو آبادیات، مابعد جدیدیت اطلاقی جہات (مرتب)، مابعد جدیدیت نظری مباحث (مرتب)، جدیدیت اور نو آبادیات، نئے نقاد کے نام خطوط وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیّر کی ایک جہت بطور افسانہ نگار بھی ہے۔ آپ کے افسانوی مجموعوں میں خاک کی مہک، فرشتہ نہیں آیا، راکھ سے لکھی گئی کتاب، ایک زمانہ ختم ہوا شامل ہیں۔ ان کے افسانوں کے مؤضوعات فرسودہ سماج، جنسی گھٹن، ریاستی تشدد، خوف وہراس، ناانصافی، طبقاتی کشمکش کے گرد گھومتے نظر

آتے ہیں۔ تراجم کی ذیل میں ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے اسطور کی تاریخ، چراغِ آفریدم، اور ایک انگریزی کتاب Coloniality modernity and Urdu literature۔

ڈاکٹر ضیاء الحسن (۱۹۶۴ء) ۷ا مارچ ۲۰۰۹ء میں شعبہ اردو اورینٹل کالج میں اسٹنٹ پروفیسر کے طور پر منسلک ہوئے۔ ادبی دنیا میں میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا ان کی بنیادی پہچان غزل گوئی ہے مگر ادب کی دوسری جہات میں بھی ان کا حصہ شامل ہے ۔ترجمہ ہو یا تبصرہ تحقیق ہو یا تنقید ترتیب مختلف جہات ادب میں طبع آزمائی کی ہے۔ انھیں جدید دور کے صاحبِ اسلوب، شاعر، محقق اور نقاد کہہ دینا بے جا نہ ہو گا ڈاکٹر ضیاء الحسن کی تحریروں میں تحقیق و تنقید کا حسین امتزاج ملتا ہے ۔ڈاکٹر ضیاء الحسن کی تحقیق کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ڈاکٹریٹ کا مقالہ " اردو تنقید کا عمرانی دبستان " کئی حوالوں سے قابل ذکر ہے ۔ جس میں ڈاکٹر ضیاء الحسن نے کلاسیکی اور جدید اردو تنقید کے ذخیرہ کا عمرانی تناظر میں جائزہ لیا ہے۔ یہ مقالہ تحقیق و تنقید کے حسین سنگم کا عکاس ہے۔ اس میں محقق نے صرف اردو زبان میں دستیاب مواد ہی سے استفادہ نہیں کیا بلکہ انگریزی زبان میں موجود ماخذات تک رسائی حاصل کرتے ہوئے عمرانی تنقید کے خدوخال کو نکھارا ہے۔ ان کے سوالات کرنے کی صلاحیت کے حوالے سے ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

> "ان کی تنقید ادب پاروں کی سادہ مکتبی تشریح سے کوئی سروکار نہیں رکھتی بلکہ ان سوالوں کو اپنا محور بناتی ہے جو ایک تخلیق کار کی حیثیت میں انھیں اپنے عصر کی جمالیاتی وضعوں، ثقافتی الجھنوں اور تاریخی و عمرانی صورتحال سے دوچار ہونے کے نتیجے میں درپیش ہیں۔"(۱۹)

ڈاکٹر ضیاء الحسن اکیسویں صدی کی تخلیقی نسل کے نمائندہ اچھے شاعر، نقاد، محقق ہیں ۔ان کی تحقیقی و تنقیدی جہات ناقابل فراموش ہیں ۔راشد شناسی کے حوالے سے ان کی کتب "نئے آدمی کا خواب" "ن م راشد کی شخصیت اور فن" راشد کی شاعری تجزیاتی مطالعہ "، "راشد شناسی میں ایک اہم باب ہیں۔ انھوں نے اس موضوع پر جامع انداز سے گفتگو کی ہے راشد کے حوالے سے پائے جانے والے غلط نظریات کو دلائل سے غلط ثابت کیا ہے علاوہ ازیں تفہیم راشد اور راشد کے فن کے خصائص کا ادراک میں ڈاکٹر ضیاء الحسن کی تنقید سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے ۔ان کی نمایاں تحقیقی و تنقیدی کتب میں گم شدی ستارہ، ارمغان سید عبد اللہ، خیمہ محبت، اردو تنقید کا عمرانی دبستان، جدید اردو نظم وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر انیلا سلیم (۱۹۸۳ء) کو اورینٹل کالج سے ۳ ستمبر ۲۰۱۸ء میں بطور لیکچرار وابستہ ہوئیں۔ ان کی دلچسپی کا میدان مشاہیر کے خطوط، تحقیق و تنقید اور تدوین ہے ۔ تحقیق کے حوالے سے ان کے اہم مقالات ایم اے اور پی ایچ ڈی کے ہیں۔ ان کا ایم اے کا مقالہ اُردو تذکرے تحقیق و تنقید توضیحی کتابیات

ڈاکٹر زاہد منیر عامر کی زیرِ نگرانی کام کیا۔ پی ایچ ڈی کا مقالہ "جابر علی سید حیات اور ادبی خدمات "ڈاکٹر بصیرہ عنبرین کی زیرِ نگرانی لکھا۔ یہ مقالہ جابر علی سید کی شخصیت اور ادبی خدمات کا جامع انداز سے احاطہ کرتا ہے۔ان کا تیسرا اہم تحقیقی کام ممتاز نقاد و محقق جابر علی کے ایک مسودے "اصول انتقادِ ادبیات (ایک تنقیدی جائزہ) "کی ترتیب ، تدوین اور تحشیہ ہے۔ ڈاکٹر انیلا سلیم نے اصول انتقادِ ادبیات (ایک تنقیدی جائزہ) کی تدوین میں تدوینی اصولوں کو مدِ نظر رکھا ہے۔ صحت متن کا خاص خیال رکھا ہے، حواشی کے انتظام اس کتاب کی تفہیم میں آسانی پیدا ہوئی ہے۔نامکمل حوالوں اور اشعار کی تکمیل سے کتاب کا متن مکمل صورت میں قاری تک پہنچتا ہے۔اس کتاب کے مقدمے میں اپنے طریقہ کار کی وضاحت بھی کی ہے۔

ڈاکٹر آصف علی چٹھہ (۱۹۷۰ء) بھی اورئینٹل کالج سے بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر ۲۰۱۸ء میں وابستہ ہو۔ان کا کام ترتیب کے حوالے سے ہے "(مجید امجد کی نظمیں "کتاب مین مجید امجد کی نظموں پر لکھے گئے تجزیات کو یکجاں کر کے انھوں نے مجید امجد شناسی کا ایک نیا باب وا کیا ہے، تاثراتی اور تنقیدی تحریریں: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا"میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی تاثراتی تحریروں کی جمع آوری اور ان پر مبسوط مقدمہ لکھ کر انھوں نے ادب کو اہم سرمایے سے آشنا کیا ہے۔

ڈاکٹر نعیم ورک (۱۹۸۲ء) حال ہی میں اوریئنٹل کالج سے ۲۹ دسمبر ۲۰۲۰ء میں بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر منسلک ہوئے۔ ان کی تحقیق و تنقید کا میدان اردو ناول ہے۔انھوں نے مدلل انداز سے اردو ناول کا ثقافتی مطالعہ اور اردو ناول میں استعماریت کے موضوع پر مقالات قلمبند کیے ہیں۔اور اس حوالے سے کئی حقائق سامنے لائے ہیں۔ تدوین کے حوالے سے ان کی کتاب "صورت حال از شاد عظیم آبادی (تدوین و ترتیب) اور ایک کتاب نوبیل خطبات: معاشیات ترجمہ کی گئی کتاب ہے۔

ساجد صدیق نظامی (۱۹۸۷ء) ادارہ زبان و ادبیاتِ اردو سے بطور اسسٹنٹ پروفیسر منسلک ہیں۔ وہ تحقیق اور درس و تدریس کا پندرہ برس سے زائد کا تجربہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز پنجاب یونیورسٹی کے تحقیقی منصوبے "تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند" (اردو ادب) میں ریسرچ اسکالر کے طور پر کیا۔ اس منصوبے کے تحت اردو ادب کی مستند اور مکمل تاریخ، چھ جلدوں میں مرتب ہو کر شائع ہوئی۔ بعد ازاں وہ ہائیر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ، حکومتِ پنجاب میں، پہلے لیکچرر اور پھر اسسٹنٹ پروفیسر کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔

حال ہی میں وہ اوکسفرڈ یونیورسٹی، انگلستان سے پوسٹ ڈاکٹورل فیلوشپ مکمل کر کے واپس لوٹے ہیں۔ اس فیلوشپ کے دوران انھوں نے "اردو میں فنّی و تکنیکی نثر کی ترقی میں تھامسن سِوَل انجینئرنگ کالج، رُڑکی کا کردار" کے موضوع پر تحقیقی منصوبہ مکمل کیا ہے۔

ترتیب و تدوین کے ضمن میں ۳ کتب بعنوان "مقالاتِ عبد الستار صدیقی" (جلد دوم)، "تاریخ آسام" (میر بہادر علی حسینی) اور "اکبر صدی مقالات" شائع ہوئی ہیں۔ پاکستان کے نمایاں جرائد میں ان کے تیس سے زائد مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا نمایاں تحقیقی کام اردو کے کلاسیکی ادب، بالخصوص انیسویں صدی کے اردو ادب کی تحقیق کو محیط ہے۔

۲۰۱۷ء میں انھیں پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے اردو زبان و ادب میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی سند عطا ہوئی۔ ان کا تحقیقی مقالہ "اسالیبِ نثر اردو کے تحولات" (آغاز سے وفاتِ غالب تک) کے موضوع پر تھا۔ یہ مقالہ عنقریب کتابی صورت میں شائع ہونے والا ہے۔ اس سے قبل انھوں نے ۲۰۱۱ء میں میر بہادر علی حسینی کی "تاریخ آسام" کو مدون کر کے ایم۔ فل۔ اردو کی سند حاصل کی۔ متعلم ایم۔ اے، اردو کے طور پر وہ اورینٹل کالج کے مجلّہ "شرق" اور شعبۂ اردو کے مجلّہ "سخن" کے مدیر بھی رہ چکے ہیں۔

ڈاکٹر ظہیر عباس (۱۹۸۱ء) ادارہ زبان و ادبیات اردو پنجاب یونیورسٹی میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ تحقیق و تدریس کا سترہ سال کا تجربہ رکھتے ہیں۔ اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو کے بعد انھوں نے ایم فل اور پی ایچ ڈی اردو کی سطح کی تعلیم گورنمنٹ کالج یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی ۔ ان کے ایم فل کے مقالے کا عنوان "وارث علوی کا تنقیدی شعور تھا"۔ ۲۰۱۵ میں انھیں پی ایچ ڈی کی سند عطا ہوئی۔ ان کے تحقیقی مقالے کا موضوع "اردو داستان میں کایا کلپ: نفسیاتی اور مابعد الطبعیاتی مطالعہ تھا۔ ان کے علمی و ادبی موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی مضامین موقر ادبی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی دلچسپی کا میدان مقامی اور عالمی فکشن ہے۔ ان کا ایک افسانوی مجموعہ " مدفن کی تلاش "عکس پبلیکیشنز لاہور اور عرشیہ پبلی کیشنز نئی دھلی سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کے افسانے تواتر سے ہندوستان اور پاکستان کے ادبی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مشتاق احمد (۱۹۹۳ء) کا شمار اردو ادب کے سنجیدہ قارئین میں ہوتا ہے۔ آپ نوجوان محقق اور نقاد ہیں۔ مشتاق احمد کا ادب کے حوالے سے پہلا تعارف احمد مشتاق اور مطالعاتِ احمد مشتاق ہیں۔ ان ضمن میں ان کی اولین تحقیقی کاوش "آدمی ہمارا (شعریات احمد مشتاق)" ۲۰۲۰ء میں شائع ہوئی۔ ان کی دوسری کتاب "حدیث دیگراں (احمد مشتاق کے شعری اور نثری تراجم)" ۲۰۲۱ میں شائع ہونے والی کتاب اسی سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ اس کتاب -میں آپ نے پہلی بار احمد مشتاق کی شعریات کے حوالے سے اہم تنقیدی آرا پر مبنی تمام تحریروں علاوہ ازیں اس مرتبہ تراجم کی ذیل میں ان کے تمام ترکام کو یکجا کر کے ایک اہم، وقیع اور قابل تحسین تحقیقی کاوش ہے۔ یہ دونوں مذکورہ کتب احمد مشاق کے مطالعات کے ضمن میں بنیاد گزار قرار دی جاسکتی ہیں۔ یہ کتاب واقعی ایک وقیع اور قابل قدر تحقیقی کاوش ہے۔ بقول ڈاکٹر ضیاء الحسن:

"مشتاق احمد ادب سے سنجیدہ دل چسپی رکھنے والے انسان ہیں۔ مختلف اصنافِ ادب کا مطالعہ نہایت سنجیدگی سے کرتے ہیں، ادبی موضوعات پر اپنے دوستوں اور سینئیرز سے گفتگو کرتے ہیں اور ادب کی تفہیم کے لیے مطلوبہ محنت اور مشقت سے گزرتے ہیں۔"(۲۰)

ان کی دیگر کتب میں معانی کی صحبتیں(راشد: نظمیں اور مطالعات)مرتب، ریت سر نگر کی(ترتیب)، نقش پائے خامہ(ترتیب)، انتظار حسین اور محمد عمر میمن(ترتیب) شامل ہیں۔ مشتاق احمد شاعری بھی کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو "ان اساتذہ کا تحقیقی، ادبی، اور تنقیدی کام نئے آنے والے اساتذہ اور طلبہ کے لیے مشعلِ راہ ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ علم و ادب کے اس عظیم الشان ادارے کے اساتذہ کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ شعبہ اردو کے اساتذہ علمی، ادبی مجالس میں بھی بھرپور شرکت کرتے رہے ہیں۔ الغرض اس شعبے کے اساتذہ نے کالج کی ادبی اور تحقیقی روایات کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ قومی زبان کی ترویج و ترقی کے لیے سرخیل کا کردار ادا کیا ہے یہ خدمات بلاشبہ فقید المثال ہیں۔"(۲۱) ان تمام اساتذہ کی تاریخی، علمی او ادبی جہات کے جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان سب اکابر شخصیات نے اردو ادب کی ایک مستحکم بنیاد قائم رکھی اور سختی سے اس پر خود بھی عمل کیا اور اسی معیار پر ادب پاروں کو پرکھا۔ یہ مستحکم بنیاد حافظ محمود شیرانی کی تعمیر کردہ ہے ان تمام فاضل اساتذہ نے اسی روایت کو زندہ رکھا اور اس کی آبیاری کے لیے روز بروز اپنے اردو ادب میں کارہائے نمایاں سر انجام دے رہے ہیں۔ اس روایت کے اصولوں میں تاریخی واقعات و حقائق پر نتائج اخذ کرنا، دیگر علوم سے وابستگی و ان کا مطالعہ، تاریخ، سیاسی و سماجی پس منظر کا جائزہ، تمام ماٰخذ تک رسائی (بنیادی و ثانوی)، داخلی و خارجی شواہد کا استعمال، بنیادی اور ثانوی ماٰخذ میں فرق اور بنیادی ماٰخذ کو اہمیت دینا، نسخوں کا تعارف اور درجہ بندی نوعیت، کیفیت، شاعر و مصنف کا تعارف اور تجزیہ، اسلوب کا جائزہ، حواشی کا اہتمام مغربی ادب سے استفادہ، حوالہ دیے بغیر اقتباس درج نہیں کرتے، محنت، ریاضت، سخت کوشی کے قائل، اختلافِ نسخ اور تعلیقات پر خصوصی توجہ دیتے ہیں، تحقیق و تنقید کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ ادب کی تاریخ ہو یا ارتقا، تحقیق کا شعبہ ہو یا تنقید، تصنیف ہو یا تالیف، اقبالیات ہو یا غالبیات، نصاب ہو یا تخلیقی ادب، شاعری ہو یا نثر، یا افسانوی ادب، ادب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر شعبہ اردو کے اساتذہ نے قلم نہ اٹھایا ہو۔ بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان میں اردو ادب کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ تحقیق و تنقید کے حوالے سے شعبہ اردو اورینٹل کالج لاہور سب سے بہترین ادارہ ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) رشید حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۸۹ء)، ۱۱۰۔

(۲) ڈاکٹر روبینہ ترین، ڈاکٹر سید عبداللہ شخصیت و فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷)، ۹ پیش لفظ

(۳) علی جواد زیدی، ادبی سکول، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۸ء)، ۱۸۔

(۴) اختر وقار عظیم، مرتب، پدرم سلطان بود، سید وقار عظیم: شخصیت اور ادبی خدمات، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ۷۶۔

(۵) ڈاکٹر عبادت بریلوی، تنقید اور اصول تنقید، (لاہور: ادارہ ادب و تنقید، ۱۹۸۴ء)، ۱۳۔

(۶) قدسیہ بانو، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار بطور محقق، مقالہ برائے ایم اے اردو، (لاہور: مملوکہ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، ۱۹۸۹ء)، ۲۴۱۔

(۷) ڈاکٹر گوہر نوشاہی، ڈاکٹر وحید قریشی: شخصیت اور فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۶ء)، ۷ پیش نامہ۔

(۸) روبینہ ناز، ڈاکٹر وحید قریشی کی علمی و تحقیقی خدمات، مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی اردو(اسلام آباد: شعبہ اردو نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو یجز، ۲۰۰۷ء)، ۱۲۶۔

(۹) کرامت بخاری، مشاہیر کے انٹرویوز، (لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۲۰۰۳ء)، ۱۵۷-۱۵۸۔

(۱۰) ڈاکٹر نفیس اقبال ، "ڈاکٹر تبسم کاشمیری بطور نقاد"، مشمولہ: بازیافت، شمارہ ۱۹(لاہور: جولائی تا دسمبر ۲۰۱۱ء)، ۴۱۔۴۲۔

(۱۱) صائمہ اقبال، ڈاکٹر عبیداللہ خان فن اور شخصیت، مقالہ برائے ایم۔اے اردو(لاہور: گورنمنٹ ایف سی کالج، ۱۹۹۷ء)، ۳۱۲۔

(۱۲) ڈاکٹر سکندر حیات میکن، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: شخصیت وخدمات، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۲۰ء)، ۱۴۔

(۱۳) ڈاکٹر تحسین فراقی کا عارفہ صبح خان کے ساتھ مصاحبہ ۹ جون ۲۰۱۳ء، غیر مطبوعہ

(۱۴) فرحت کیانی، "تتلیوں کے موسم میں نوچنا گلابوں کا---مرغوب حسین طاہر"، ۹ جون ۲۰۰۷،
https://www.urduweb.org/mehfil/threads/.7038(۹جون۲۰۰۷)

(۱۵) فریحہ باجوہ، ڈاکٹر محمد کامران۔حیات اور ادبی خدمات، مقالہ برائے ایم فل (اردو) مملوکہ لاہور لیڈز یونیورسٹی، ۲۰۲۰ء، ص ۱۷

(۱۶) ڈاکٹر ہارون الرشید تبسم، ڈاکٹر زاہد منیر عامر: مفکر و اقبال شناس، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۶ء)، ۱۳۔

(۱۷) عارفہ شہزاد، عورت ہوں نا، (لاہور: دستاویز مطبوعات، ۲۰۱۶ء)، فلیپ

(۱۸) ڈاکٹر ستیہ پال آنند، "تاثرات"، مشمولہ جدید ادب، شمارہ ۱۷ (جرمنی: جولائی تا دسمبر، ۲۰۱۱ء)، ۲۶۴-۲۶۵۔

(۱۹) ڈاکٹر ضیاء الحسن، جدید اردو نظم: آغاز و ارتقا، (لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، فلیپ۔

(۲۰) مشتاق احمد، آدمی ہمارا: شعریات احمد مشتاق،(لاہور: پیس پبلی کیشنز،۲۰۲۰ء)،فلیپ۔

(۲۱) ڈاکٹر نسرین اختر،تاریخِ یونیورسٹی اورئینٹل کالج لاہور،(لاہور: سنگت پبلیشرز،۲۰۰۶ء)،۱۶۵

BIBLOGRAPHY

- Akhtar Waqar Azim, Compiled, *Pidrum Sultan Bod, Syed Waqar Azeem: Shaksiat Our Adabi Khidmaat,* (Lahore: Sangmail Publications, 2017).
- Ali Jawad Zaidi, *Adabi School*,(Karachi: Nafees Academy, 1988).
- Arifa Shahzad, *Orat Hu Na,* (Lahore: Dastaviz Publications, 2016).
- Farhat Kiyani, *"Tataliyon Ke Mosm Min Nochana Gulabon Ka ....Marghob Hussain Taahir"*, Https://Www.Urduweb.Org/Mehfil/Threads/.7038 (9jon2007).
- Fariha Bajwa, *Dr. Muhammad Kamran, Hayat Or Adabi Khidmaat*, Dissertation: M.Phil Urdu,(Lahore, Leeds University, 2020).
- Gohar Noshahi, Dr, *Dr. Waheed Qureshi: Shaksiat Aur Fun,* (Islamabad: Pakistan Academy Of Literature, 2006).
- Haron Ur Rashid Tabasum,Dr *,Dr Zahid Muneer Amir Mufakkir O Iqbal Shanas,*(Lahore:Maqbool Academy ,2016)
- Ibadat Barelvi, Dr, *Tanqeed Or Asul E Tanqeed* ,(Lahore: Idara Adab Wa Sanit, 1984).
- Karamat Bukhari, *Mashaheer Ky Interviews,* (Lahore: West Pakistan Urdu Academy, 2003).
- Mushtaq Ahmed, *Aadmi Hamara: Sheriat E Ahmed Mushtaq*, (Lahore: Peace Publications, 2020).
- Nafees Iqbal, Dr, *"Dr Tabsum Kashmiri Btoor Naqad"*Issue 19, (Bazyaft, 2011).
- Nasreen Akhtar, Dr, *Tarekh Oriental College, Lahore*, (Lahore: Sangat Publishers, 2006).
- Qudsia Bano, *Dr Ghulam Hussain Zulfiqar Bator Muhaqiq*, Dissertation: MA Urdu, (Lahore: Punjab University Oriental College, 1989).
- Rashid Hassan Khan,*Adabi Tehqeeq Masile Or Tajzia* ,(Lahore: Al-Faisal Publishers And Book Dealers, 1989).
- Rubina Naz, *Dr. Waheed Qureshi Ki Ilmi O Tehqeeqi Khidmaat*, Dissertation: Phd Urdu, (Islamabad:National University Of Modern Languages,2007).

- Rubina Tareen, *Dr., Dr. Syed Abdullah Shaksiat Our Fun*, (Islamabad: Pakistan Academy Of Literature, 2007).
- Saima Iqbal, *Dr. Ubaidullah Khan Fun Our Shaksiat*, Dissertation: M.A Urdu, (Lahore Government FC College, 1997).
- Satyapal Anand, *Jadeed Adab*, Vol 17, (Germany: 2011).
- Sikandar Hayat Makin, Dr, *Dr Rafiuddin Hashmi: Shaksiyat O Khidmaat*, (Faisalabad: Misal Publishers, 2020).
- Tahsin Faraqi Dr.'S Interview with Arifa Subh Khan, June 9, 2013, unpublished.
- Zia-Ul-Hassan, Dr, *Jadeed Urdu Nazam: Aghaz O Irtaqa*, (Lahore: Sanjh Publications, 2012).

❖❖❖